
ربیع الآخر ○ جمادی الاولیٰ ○ جمادی الاخریٰ —۱۹ھ
جولائی ○ اگست ○ ستمبر —۹۹۸
صفا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد کا علمی، دینی، دعوتی، اصلاحی، ادبی سہ ماہی رسالہ

صفا

ربیع الآخر ○ جمادی الاولیٰ ○ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۹ھ

جولائی ○ اگست ○ ستمبر ۱۹۹۸ء

شمارہ: ۲۸

مدیر اعلیٰ	مدیر مسئول	مدیر تحریر
خالد سیف اللہ رحمانی	بدر الحسن قاسمی	محمد رضوان القاسمی

معاونین

سرفراز احمد قاسمی ☆ احمد عبد المجیب قاسمی ندوی ☆ اشرف علی قاسمی

سالانہ عمومی زرِ تعاون ۸۰ فی شمارہ/ ۲۵ سالانہ خصوصی زرِ تعاون/ ۵۰۰

☆ ریحان کمپیوٹرز ۔ عامرہ بلڈنگ، عابد روڈ، حیدرآباد

انتخاب

"انسان اگر انسانیت چاہتا ہے تو اوّلاً عالم بنے پھر عامل بنے، تب آخر کار علم لدنی کا وارث بنتا ہے۔ پس ابتدائی علم علمِ دراست ہے اور انتہائی علم علمِ وراثت ہے۔ یہ کتابوں کے درس و مطالعہ کا علم علمِ دراست ہے، اور اس کی عملی مشق سے پیدا شدہ بصیرت و گہرائی علمِ وراثت ہے مگر علمِ وراثت نصیب ہوتا ہے علمِ دراست ہی سے۔ پس مدارس علمِ دراست سکھاتے اور علمِ وراثت کا راستہ صاف کرتے ہیں۔ اگر یہ مدارس دینیہ نہ ہوں تو نہ علمِ دراست ملے، نہ علمِ وراثت۔ پس یہ مدارس اس لیے قائم کئے جارہے ہیں کہ جو علوم ہمیں انبیاء سے وراثت میں ملے ہیں ان کو انسانوں تک پہنچا کر انسانوں کو انسان بنایا جائے۔ اس لیے یہ مدارس گویا سچے انسانوں کو ڈھالنے کی فیکٹریاں ہیں۔

سائنس کی فیکٹریاں اور مشنیریاں سامان ڈھالتی ہیں اور یہ مدارس کی فیکٹریاں انسان ڈھالتی ہیں، جس کے ظاہر و باطن علوم انبیاء سے روشن ہوں۔ مادی علوم محض ظاہری ٹیپ ٹاپ اور نمائش سکھاتے ہیں اور یہ حقیقی علوم (علومِ شرعیہ) باطن کی آراستگی سکھاتے ہیں، مادی علوم صورت کا جمال بخشتا ہے اور روحانی علم سیرت کا جمال عطا کرتا ہے اور محض صورت کا جمال ایک عارضی حسن و جمال ہے جو جاتا آتا رہتا ہے، یہاں تک کہ ایک دن مٹ جائے گا، اسے تو دو دن بخار ہی آکر مٹا دیتا ہے، یہ تمام رعنائی اور زیبائی ختم ہو جاتی ہے اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو بڑھاپے سے یہ ظاہری جمال کے سارے نقش و نگار زائل ہو جاتے ہیں اور بڑھاپا بھی نہ آئے تو موت تو کہیں گئی ہی نہیں، وہ تو ساری صورتیں اور خوبصورتیاں مٹا کر رہتی ہے۔ البتہ سیرت پر اس کا بس نہیں چلتا، سیرت دنیا میں جیسی بھی بنالی جائے اسے موت نہیں مٹا سکتی، وہ قبر میں حشر میں اور اس کے بعد برابر قائم رہتی ہے۔

پس یہ مدارسِ دینیہ انسانیت کے ان ہی دو جوہروں کے پیدا کرنے کے لیے ہیں۔ اگر یہ مدارس نہ ہوں تو انسانیت دُنیا سے ختم ہو جائے گی۔ کالج اور یونیورسٹیوں میں لاکھوں روپے خرچ ہوتے ہیں، مگر وہاں انسانیت نہیں سکھائی جاتی ہے، صرف صورت انسانی بنائی جاتی ہے۔ لیکن ان ٹوٹے پھوٹے مکانوں میں جن کا نام مدرسہ اور خانقاہ ہے، حقیقتِ انسانی سکھائی جاتی ہے اور علوم انبیاء علیہم السلام کے نقشِ قدم پر چلنے حتی کہ فقر و فاقہ تک سے بھی انسانیت حاصل کرلینی سکھائی جاتی ہے۔ زہد و قناعت اسی علم کی بدولت قائم ہے۔"

حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افتتاحیہ

ہندوستانی مسلمان اس وقت بہت ہی نازک صورت حال سے گذر رہے ہیں اور خالص مذہبی مسائل میں بھی ان کو الجھنوں میں مبتلا کیا جارہا ہے۔ ایسے ہی مسائل میں ایک لاؤڈ اسپیکر پر اذان کے بارے میں مغربی بنگال کی عدلیہ کی رولنگ ہے۔ عدلیہ کو یہ باور کرایا گیا ہے کہ مائیک پر اذان فضائی آلودگی کا موجب ہے۔ اسی پس منظر میں عدالت نے کلکتہ میں مائیک کے ذریعہ اذان دینے پر پابندی لگادی ہے۔ یہ نہایت حساس اور جذباتی مسئلہ ہے اور اگر مناسب حکمت عملی اختیار نہیں کی گئی تو اس سے ملک کا امن وامان برباد ہوسکتا ہے۔ سپریم کورٹ نے اس حکم کو التواء دیکر وقتی طور پر اس فتنے کو ٹالنے کی حکیمانہ تدبیر کی ہے اور سپریم کورٹ کے فیصلہ یا قانون سازی کے ذریعہ اس مسئلہ کا حل کرنا نہایت ضروری ہے، ورنہ اس سے امن وامان کے خطرہ میں پڑنے کا اندیشہ ہے۔ بدقسمتی سے اس سے پہلے قرآن مجید سے متعلق ایک مقدمہ بھی کلکتہ ہی کی عدالت میں دائر ہوا تھا، جس نے پورے ملک میں تشویش پیدا کردی تھی، لیکن خود کلکتہ کی عدالت نے اس مقدمہ کو خارج کردیا اور اس طرح ملک میں سیکولرزم کے خلاف جو سازش رچائی جارہی تھی وہ ناکام ونامراد ہوئی۔

اس وقت ملک میں فضائی آلودگی کے کتنے ہی اسباب ہیں جن میں بعض وہ ہیں کہ موجودہ حالات میں انکو روکنا دشوار ہے اور بعض وہ ہیں جن کی طرف حکومت کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ سڑکوں پر دوڑتی ہوئی بے شمار گاڑیاں، ان کے ہارن کی بے تحاشا آواز، جگہ جگہ گندے نالے اور نالیاں، غریب بستیوں میں بیت الخلاء کا موجود نہ ہونا، جگہ جگہ ڈرینج نظام کا ناکارہ ہونا، سیاسی ریلیوں اور مذہبی میلوں کے موقعہ سے غیر معمولی ریکارڈنگ اور تقریروں اور نعروں کا شور: یہ سبھی چیزیں فضائی آلودگی پیدا کرنے والی اور ان کو بڑھانے والی ہیں، اس لئے اس مقصد کے لئے معتدل اور متوازن اصول و قواعد وضع کرنے ہوں گے تاکہ وہ مذہبی جذبات واحساسات کے مجروح ہونے کا ذریعہ نہ بنیں، نقض امن کا خطرہ پیدا نہ ہو اور ایسا نہ ہو کہ اس سے ملک کو نفع کے بجائے اور نقصان پہنچ جائے۔

ہندوستان میں آئے دن جو سیاسی تبدیلیاں آرہی ہیں وہ حد درجہ تشویشناک اور لائق فکر ہیں۔ ہمارے ملک کی بنیاد جمہورت و سیکولرزم پر ہے۔ سیکولرزم کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کا اپنا کوئی مذہب نہیں ہوگا، ہر مذہب کا یکساں احترام کیا جائے گا، تمام ہی مذہبی، لسانی اور تہذیبی اکائیوں کو یکساں حقوق اور یکساں مواقع حاصل ہونگے۔ ہر محبّ وطن ہندوستانی چاہے گا کہ ملک کا یہ سیکولر کردار قائم اور باقی رہے، کیوں کہ اس میں ملک کی سالمیت اور اس کی ترقی مضمر ہے۔

لیکن آزادی کے پہلے ہی سے ہندوستان میں فرقہ پرستوں کا ایک طبقہ موجود رہا، جو ملک کو ہندوتوا کے رنگ میں رنگنا چاہتا تھا۔ ”آر۔ ایس۔ ایس“ اس طبقہ کی نمائندہ اور ترجمان رہی ہے۔ بدقسمتی سے سیکولر جماعتوں کے انتشار، اقتدار کے لئے باہمی آویزش، سیاسی مقاصد کیلئے وفاداریوں کی تبدیلی اور نت نئی سیاسی جماعتوں کی تاسیس وتشکیل نے ان کو کمزور سے کمزور تر کر دیا ہے اور اس کی وجہ سے گذشتہ چند ماہ میں فرقہ پرست قوتوں کو بڑی تقویت حاصل ہوئی ہے اور انہوں نے ”دلی“ تک کا سفر طے کرلیا ہے، گو ”بی۔ جے۔ پی“ کی حکومت اٹھارہ پارٹیوں کے الائنس پر مشتمل ہے، وہ آزادانہ طور پر اپنی مبنی فسئوں پر عمل کرنے کے موقف میں نہیں ہے اور اس نے اپنے اتحادی پارٹیوں کے ساتھ مل کر کام کے لئے ایک مشترک ایجنڈا تیار کیا ہے اور بار بار حکومت یہ بیان بھی دے رہی ہے کہ وہ اسی ایجنڈا کے تحت کام کرنے کی پابند ہے۔

لیکن غیر معینہ طور پر وہ اپنے جماعتی ایجنڈا کو بھی آگے بڑھا رہی ہے اور اپنی اقلیت دشمنی کو اس نے چھپانے کی کوئی کوشش نہیں کی ہے۔ جن ریاستوں میں ”بی جے پی“ برسر اقتدار ہے ان میں نصابِ تعلیم میں بڑے پیمانہ پر تبدیلیاں لائی جارہی ہیں، ملک کی ایک نئی تاریخ مرتب کرنے کی سعی جاری ہے، ”وندے ماترم“ کو لازم کرنے کی کوشش ہو رہی ہے، سرکاری اسکولوں میں تمام طلبہ وطالبات کو ہندو عقیدہ کے مطابق تعلیم کی ”دیوی“ کی پرستش پر مجبور کیا جارہا ہے، بنگالی مسلمانوں کو بنگلہ دیشی کا نام دے کر مختلف علاقوں سے ملک بدر کیا جارہا ہے۔ یہ نہایت تشویشناک صورت حال ہے، مسلمانوں، اقلیتوں، پس ماندہ ذاتوں اور جمہوریت پسند محبّ وطن ہندوستانیوں کو سر جوڑ کر اس صورت حال پر غور کرنے اور اس سے نمٹنے کے لئے عملی تدبیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے اور اس میں جتنی تاخیر ہوگی وہ اس ملک کے لئے اسی قدر نقصان دہ اور مضرت رساں ہوگا۔

”گجرال حکومت“ کے وقت سے ہی پارلیمنٹ خواتین کے تحفظات کا مسئلہ زیر بحث ہے،

اب تک دو بار یہ بل مجلس قانون ساز میں زیر بحث آچکا ہے اور ارکان کے اعتراض کی وجہ سے پاس نہیں ہو سکا۔ بل کی موجودہ صورت کے مطابق خواتین کو ۳۰ رفیصد تحفظات حاصل ہونگے۔ اگر یہ بل موجودہ صورت میں پاس ہو جائے تو عملاً یہ ۳۰ رفیصد نشستیں اونچی ذات کے ہندوؤں کے قبضہ میں چلی جائیں گی، کیوں کہ خواتین میں تعلیم کا تناسب اسی طبقہ میں زیادہ ہے۔ اس کا سب سے زیادہ نقصان خصوصیت سے مسلمانوں کو ہوگا، اس لئے کہ پس ماندہ طبقات اور خواتین کے تحفظات کے بعد بہت کم نشستیں باقی رہ جائیں گی اور سابقہ تجربات کی روشنی میں یہ بھی بعید نہیں کہ اس طرح کے تحفظات کے لئے ان حلقوں کو منتخب کیا جائے جہاں مسلمان رائے دہندوں کا اچھا تناسب ہے اور الکشن پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کا تناسب، جو مجالس قانون ساز میں یوں ہی کم ہوتا جا رہا ہے، اس صورت حال میں اندیشہ ہے کہ وہ اور بھی محدود سے محدود تر ہو جائے۔ اس لئے اول تو خواتین کے لئے تحفظات ہی ایک معنی خیز بات ہے۔ مغربی ممالک آزادی نسواں کے نقیب سمجھے جاتے ہیں، لیکن انکے یہاں بھی اب تک ایسی کوئی تحریک نہیں اٹھی۔ لیکن اگر اس قسم کے تحفظات خواتین کو دیئے ہی جائیں تو ضروری ہے کہ اس میں مسلمان خواتین کا کوٹہ بھی محفوظ کیا جائے۔ بعض تنظیمیں اس سلسلہ میں متحرک ہوئی ہیں اور کچھ قومی سیاسی جماعتوں نے بھی مسلمانوں کے اس مطالبہ کی تائید کی ہے۔ اس تحریک کو آگے بڑھانے اور نتیجہ خیز بنانے کی ضرورت ہے، جبکہ بعض مسلم جماعتیں اور ممتاز مسلم قیادت بھی اس سلسلہ میں مثبت انداز فکر رکھتی ہے۔

اللہ کا شکر ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کے غلبہ کے ساتھ ہی بالغ نظر اور دردمند علماء نے دینی مدارس اور جامعات کی بنیاد رکھی۔ ان مدارس کا مقصد جہاں مسلمانوں کو دینی تعلیم اور دینی اقدار سے مربوط رکھنا ہے وہیں ملک و قوم کو اچھے، پابند قانون، مخلص اور دردمند شہری فراہم کرنا بھی ان درسگاہوں کا مقصد ہے۔ ہندوستان کی جنگ آزادی میں ان مدارس اور ان کے فضلاء کا نمایاں کردار رہا ہے۔ ایک ایسے ماحول میں جب کہ تعلیم کا مقصد محض زر ہے، انسانی خدمت، آدمیت اور معاشرہ کی اصلاح و اعانت کا پہلو بالکل نظر انداز کیا جا رہا ہے، اس ماحول میں صرف یہی درسگاہیں ہیں جو انسانیت گری کا کام کر رہی ہیں، جس میں خدا کی خوشنودی اور انسانی خدمت کے نقطۂ نظر سے تعلیم و تعلّم کا کام کیا جاتا ہے اور ایسے افراد تیار کئے جاتے ہیں جو کم پیسوں پر قناعت کر کے امت کے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور سماج کی اصلاح کا فرض انجام دے سکیں۔

عصری درسگاہوں اور جامعات میں قتل، عصمت ریزی، چوری، راہزنی، ہڑتال، دوسروں کیساتھ استہزاء اور تمسخر وغیرہ عام بات ہے، لیکن ان درسگاہوں میں شاذ و نادر ہی اسطرح کے واقعات پیش آتے ہیں اور جو لوگ یہاں تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ بھی کم ایسی چیزوں میں ملوث پائے جاتے ہیں۔

اس کا تقاضہ تھا کہ ملک کے ارباب انتظام ان اداروں کی حوصلہ افزائی کرتے، ان کی طرف اپنی مدد کا ہاتھ بڑھاتے اور انکو تقویت پہنچاتے، کہ حکومت سے کچھ لئے بغیر یہ قوم و ملک کی گراں قدر خاموش، ٹھوس اور تعمیری خدمت انجام دے رہے ہیں لیکن برا ہو فرقہ پرست ذہنیت کا کہ یہ اچھا کام بھی ان کو برا ہی نظر آتا ہے اور اس وقت ایک منظم سازش کے تحت ان مدارس کو نشانہ بنانے کی کوشش کی جارہی ہے، ان کو ملک دشمن سرگرمیوں کا مرکز اور ''آئی . ایس . آئی'' کا پناہ گاہ قرار دیا جارہا ہے۔ یہ محض اقلیت دشمنی کا مظہر ہے اور کچھ نہیں۔ حکومت کو چاہئے کہ ان مدارس کو نمونۂ تقلید بنانے اور سرکاری مدارس و جامعات میں قانون کی حکمرانی کو لانے اور لاقانونیت کو ختم کرنے کی کوشش کرے، نہ یہ کہ خود ان اداروں کو نقصان پہنچانے کی سازشیں رچی جائیں۔

یہ محض غلط فہمی اور مغالطہ ہے کہ ان درسگاہوں میں اساتذہ و عملہ کی اعلیٰ تنخواہیں ہوتی ہیں اور ان کے لئے بیرونِ ملک سے پیسے آتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سرکاری اداروں کی نسبت سے ان کی تنخواہیں نہایت معمولی ہوتی ہیں، یہ محض انسانی اور اسلامی جذبہ سے اتنی معمولی تنخواہوں پر قوم و ملک کی خدمت کرتے ہیں اور وہ مسلمان جو پہلے ہی سے معاشی اعتبار سے پس ماندہ ہیں، وہ اپنا پیٹ کاٹ کر اور اپنی ضروریات میں تنگی گوارا کر کے ان اداروں کا تعاون کرتے ہیں۔ اس کے باوجود ان اداروں پر حکومت کی ترچھی نگاہ نہایت ہی لائق افسوس ہے۔

اس وقت دینی مدارس اور مذہبی و سیاسی قیادت کے خلاف جو زہر افشانی کی جارہی ہے اور مسلمان نوجوانوں کو بعض ملک دشمن تنظیموں کی طرف منسوب کیا جارہا ہے اور پورے ملک سے حکومت کے ذمہ داروں کے بیانات جو ایک ہی انداز کے آرہے ہیں اسے محض ایک اتفاق سمجھنا صحیح نہیں ہوگا، بلکہ یہ ایک منصوبہ بند سازش کا حصہ ہے۔ جس کا مقصد مسلمانوں کو مرعوب کرنا ہے اور اپنے تئیں احساس کمتری میں مبتلا کرنا ہے، تاکہ ان میں اقدام کی صلاحیت باقی نہ رہے بلکہ وہ سنجیدہ ردِ عمل کے لائق بھی نہ رہیں۔

ان حالات میں ضروری ہے کہ دینی مدارس کم سے کم اپنے تحفظ کے مقصد کے تحت ایک پلیٹ

فارم پر جمع ہو جائیں تا کہ ایسا نہ ہو کہ حکومت پہلے چھوٹے اور غیر معروف اداروں پر دست درازی کرے اور پھر اس تجربہ سے فائدہ اٹھا کر بڑے اداروں کو اپنا نشانہ بنائے۔ اگر ایسے حالات میں بھی ہم وحدت فکر وعمل کا ثبوت نہ دیں اور آپ اپنی حفاظت کا انتظام نہ کریں تو اس سے بڑھ کر محرومی اور خسران کی اور کیا بات ہوگی؟ اللہ تعالیٰ ملت اسلامیہ ہند کی حفاظت فرمائے اور ہمیں صحیح سمت میں قدم اٹھانے کی توفیق عطا فرمائے۔

گذشتہ دنوں حیدرآباد سے تعلق رکھنے والے تین معروف اور ممتاز شخصیتوں کا انتقال ہوگیا جن میں ایک مولانا نور اللہ قادری ہیں۔ مولانا قادری کا اصل تعلق کرنول سے رہا ہے، تاہم مختلف حیثیتوں سے حیدرآباد میں بھی قیام پذیر رہے۔ دارالعلوم حیدرآباد میں انکی تدریسی اور تصنیفی خدمات رہی ہیں۔ شاگردوں کا ایک بڑا حلقہ ہے۔ متوسلین اور منتسبین کا بھی دائرہ بڑا ہے۔ اس دیار میں تلگو زبان کی اہمیت کی پیش نظر مختلف اردو میں شائع شدہ دینی کتابوں کو تلگو میں منتقل کیا۔ اس سلسلہ میں ان کا ایک اہم کارنامہ حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی علیہ الرحمہ کی مقبول عام کتاب ”فضائل اعمال“ کو تلگو زبان میں منتقل کرنا ہے۔ قرأت وتجوید کے فن سے بھی ان کو خاص شغف رہا ہے۔ اپنی وضع قطع کے اعتبار سے نہایت سادہ تھے۔ اخلاق، ملنساری اور عام برتاؤ میں علماءِ سلف کے نمونہ تھے۔ اخلاص وللّٰہیت اور علم دین کی اشاعت کے سینہ میں موجزن جذبہ کی وجہ سے ان کے فیوض وبرکات اس علاقہ میں نمایاں طور پر محسوس کئے جارہے ہیں۔ دعوت وتبلیغ کے کام سے ذہنی موافقت اور طبعی مناسبت تھی۔

دوسرے بزرگ جناب حافظ عزیز احمد بیگ صاحبؒ ایک عرصہ تک عالمی شہرت یافتہ ادارہ ”دائرۃ المعارف“ سے وابستہ رہے۔ یہاں انہیں متعدد کتابوں پر تعلیق اور تحقیق کے کام کا موقع ملا۔ عربی ادب سے دلچسپی اور ذوق نے انہیں اس بات پر بھی آمادہ کیا تھا کہ وہ اپنے مکان کے ایک حصہ میں عربی کمپوزنگ سنٹر اور پریس قائم کریں۔ انکا یہ پریس حیدرآباد کے قدیم عربی پریس میں ہے۔ اس پریس سے انہوں نے ذاتی طور پر مختلف کتابیں طبع کیں اور دوسرے لوگوں کو بھی عربی کتب اور رسائل وجرائد کے طبع کرانے کی سہولت یہاں حاصل رہی۔ عرب ممالک سے اہل قلم اور کتب خانوں کیلئے ایسی کتابیں بھی منگاتے رہے جو عام طور پر ہندوستان میں کمیاب یا نایاب تھیں۔ خاموش طبع اور بلند اخلاق انسان تھے۔ لگن سے کام کرنے کی ایک مثال انہوں نے قائم کی ہے۔

تیسری شخصیت الحاج محمد حسین اظہر کی ہے۔ یہ حیدر آباد کی مرنجاں مرنج اور وضع دار شخصیت تھی۔ مرحوم کا علمی اور ادبی ذوق بھی صاف ستھرا تھا، خصوصیت کے ساتھ حاجیوں کی رہبری اور رہنمائی کے لئے انہوں نے ایک ادارہ ہی قائم کیا تھا جس کا نام "حج موزیم" ہے۔ اس ادارہ کے ذریعہ انہوں نے نہایت عظیم، مثالی اور قابل قدر کام کیا ہے۔ حج کے موضوع پر مختلف کتابوں کی تصنیف کے ساتھ "تاریخ کعبہ" ان کی ایک اہم علمی اور تحقیقی خدمت ہے۔ جس کی رسم اجراء کی تقریب میں راقم الحروف کو بھی شرکت کا موقع ملا تھا۔ ایک عرصہ سے وہ مریض تھے۔ خدا کے گھر کا یہ سپاہی خدا کے حضور حاضر ہو گیا۔ ان شاء اللہ وہ وہاں اپنے کام کا انعام پائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان تینوں بزرگوں کی مغفرت فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔

۹/ ربیع الثانی ۱۴۱۹ھ ‏ ‏ ‏ ‏ محمد رضوان القاسمی

۳/ اگست ۱۹۹۸ء

قرآن فہمی میں اعتدال کی راہ

مولانا بدر الحسن القاسمی، کویت

﴿معتمد تعلیمات دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد﴾

قرآن خالق کائنات کا کلام ہے، اسکو صحیح طور پر سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آدمی کے اندر اسکی اہلیت ہو کہ وہ قرآن کی زبان، اسکے اسلوب، اسکے نزول سے متعلق واقعات پر نظر رکھتا ہو۔

جس طرح ایک شخص جس نے ڈاکٹری کا علم حاصل نہ کیا، اس کے لیے یہ بات ناروا ہے کہ وہ دواؤں کی خاصیت اور امراض کی علت پر لکچر دے یا جس طرح انجینیری کے علم سے نابلد شخص سے اس بات کی امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ اس علم کے اصول و مبادی کو صحیح طور پر سمجھ سکتا ہو، اسی طرح یہ بات بھی قرین عقل نہیں ہے کہ ایک شخص نے قرآن فہمی کے بنیادی اصول و آداب بھی نہ سیکھے ہوں اور وہ قرآن آیات کے اسرار و حکم پر رائے زنی شروع کر دے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن نے تو خود ہی اپنے بارے میں یہ کہا ہے کہ:

وَ لَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ. (القمر: ۱۷)

اور بلا شبہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے، لہٰذا ہے کوئی جو اس سے نصیحت حاصل کرے؟

لیکن یہ درحقیقت ایک طرح کا مغالطہ ہے کہ اس آیت کی بنیاد پر لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ قرآن فہمی کے لئے کسی قابلیت اور لیاقت کی ضرورت نہیں ہے اور ہر کس و ناکس اس کے بارے میں رائے زنی کا حق رکھتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ قرآن کی وہ آیات جن میں پند و موعظت کا مفہوم بیان کیا گیا ہے اور دنیا کی بے ثباتی پر زور دیا گیا ہے، وہ تو یقیناً ایسی ہیں کہ ان کو ایک ایسا شخص جو زبان کا علم رکھتا ہو سمجھ سکتا ہے، لیکن قرآن کی وہ آیات جن کا تعلق عقائد، احکام و قوانین اور مسائل سے ہے، ان میں بڑی باریکیاں پنہاں ہیں اور ایک چھوٹی سی آیت بھی اپنے اندر معانی کا بے پناہ سمندر لئے

ہوئی ہے، ان کی باریکیوں کو سمجھنا اور ان سے مسائل کا مستنبط کرنا آسان کام نہیں ہے۔

قرآن کی آسانی کا تعلق اسکی نصیحت اور موعظت کے پہلو اور عام ہدایت کے مضامین سے ہے۔ اس کی باریکیوں سے اور مسائل کی نزاکتوں سے نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دس آیتیں سیکھتے تھے تو اس وقت تک ہمیں آگے بڑھنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی جب تک کہ ہم انکو اچھی طرح سمجھ نہیں لیتے اور ان پر عمل نہ کر لیتے تھے۔ امام مالکؒ کی روایت ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے صرف سورۂ بقرہ کو یاد کرنے میں آٹھ سال صرف کیے۔

یہ مسئلہ کسی خاص طبقہ کی اجارہ داری قائم کرنے کا نہیں ہے اور نہ اس کا یہ مفہوم ہے کہ قرآن فہمی صرف علماء کے طبقہ کے ساتھ ہی مخصوص ہے، لیکن جس طرح ہر علم میں اہلیت کی اہمیت ہوتی ہے، اسی طرح قرآنی علوم میں اختصاص رکھنے والے شخص کو جو حق قرآنی علوم و معارف پر کلام کرنے کا ہوگا وہ کسی دوسرے شخص کو نہیں ہو سکتا۔ مثال کے طور پر ایک ایسا ڈاکٹر جس نے صرف آنکھ کی بیماریوں کو اپنی دلچسپی کا مرکز بنایا ہو، اس سے یہ توقع فضول ہے کہ وہ دانت کی بیماریوں میں بھی مفید ہو۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ آنکھ کی بیماریوں میں اختصاص کا دروازہ کسی کے لیے بند ہے، البتہ عملاً جس شخص نے آنکھ کی بیماریوں کا علم حاصل نہ کیا ہو اس کی بات ان بیماریوں کے بارے میں کوئی علمی اہمیت کی حامل نہیں ہوگی۔ اسلام میں "پاپائیت" کا تصور یقیناً نہیں ہے، لیکن قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لیے ضروری علم یقیناً ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کوئی عقل و ہوش رکھنے والا شخص انکار نہیں کرسکتا۔

ہم یہاں ان افکار وخیالات کا ایک جائزہ لیں گے جو قرآن کی تفسیر کے طور پر بعض ایسے لوگوں نے ظاہر کیے ہیں جو یا تو تفسیر قرآن کی ضروری صلاحیت سے محروم تھے یا وہ اپنے زمانہ کے افکار و نظریات سے اتنے مرعوب تھے کہ انہوں نے قرآن کو ہی ان کے ماتحت کرنے کی سعی شروع کردی۔

کھلی ہوئی بات ہے کہ "قرآن کریم" ہدایت کی کتاب ہے۔ اس کا بنیادی مقصد علمی حقائق کو بیان کرنا نہیں ہے، لیکن ضمنی طور پر بعض علمی اور کائناتی حقائق کی طرف اشارہ بعض قرآنی آیات میں آگیا ہے۔ دوسری طرف یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ انسانی افکار میں روز بروز تبدیلی ہوتی

رہتی ہے اور خالق کائنات کا کلام ہر طرح کی تبدیلی سے محفوظ ہے۔ لہٰذا قرآنی آیات کو کسی ایسے وقتی نظریہ کے ماتحت نہیں کیا جاسکتا جس میں انسانی علم میں اضافہ کے ساتھ تبدیلی کا احتمال ہو۔

اسی طرح قرآن کو اس کے بنیادی موضوع ہدایت سے ہٹا کر سائنس یا بیالوجی کی کتاب کی حیثیت سے پیش کرنا بھی روا نہیں ہوگا۔ مثال کے طور پر مغربی ممالک میں جب مادہ پرستی کا دور دورہ شروع ہوا اور اہل علم کلیسا سے بیزار ہوئے تو حسی حقائق کے علاوہ ان تمام باتوں کا انکار کیا جانے لگا جن میں کسی غیبی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے؛ چنانچہ مسلمانوں کا ایک طبقہ جس نے مغرب میں تعلیم حاصل کی تھی یا جنھوں نے مغربی افکار و خیال کو اپنایا تھا، ان کے لیے نبوت و رسالت، وحی، معجزہ ساری چیزیں ناقابل یقین بن گئیں، اس لیے انہوں نے قرآن و حدیث کے نصوص کی ایسی تاویلات شروع کردیں جو نہ صرف حقیقت سے دور تھیں بلکہ ایک طرح کی معنوی تحریف کے مشابہ تھیں۔

قرآن نے یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی دعوت حق، اپنی قوم کے سامنے پیش کی اور انہوں نے اس کا انکار کیا اور کسی طرح بت پرستی ترک کرنے پر آمادہ نہ ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بعض بتوں کو توڑ ڈالا، تاکہ لوگوں کے ذہن سے ان بتوں کی اہمیت نکل جائے اور وہ یہ حقیقت اچھی طرح باور کرلیں کہ یہ پتھر کے بنے ہوئے بت اتنی سکت بھی اپنے اندر نہیں رکھتے کہ وہ اپنا دفاع کرسکیں تو وہ پرستش کے قابل کیا ہوسکتے ہیں؟ چنانچہ ان کی قوم نے آگ جلائی اور اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ڈال دیا، لیکن خدا نے ان کی حفاظت فرمائی اور وہ آگ ان کے لیے بردو سلام بن گئی اور خالق کائنات کے حکم سے اس نے کوئی گزند آپ کو نہیں پہنچایا۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کا قرآن نے بار بار ذکر کیا ہے اور ایک مؤمن جو خدا کی قدرت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے اس حقیقت کا ماننا ہرگز کسی اچنبھے کی بات نہیں ہے کہ جس خدا نے آگ میں جلانے کی صلاحیت رکھی ہے وہی اسی اس قوت کو ختم بھی کرسکتا ہے، لیکن مغرب کی الحاد زدہ ذہنیت نے بعض اردو تفسیر لکھنے والوں کے ذہن کو اس حد تک ماؤف کر رکھا تھا کہ انہوں نے اس واقعہ کا ہی انکار کردیا اور قرآنی آیات میں ایسی دور از کار تاویلیں شروع کردیں جن سے ان آیات کی روح مجروح ہو کر رہ گئی۔ اللہ تعالیٰ کا صاف اور کھلا ہوا ارشاد ہے کہ حضرت ابراہیم کی قوم نے جب یہ فیصلہ کرلیا کہ ان کو آگ میں ڈال دیا جائے تو خدا نے اپنی قدرت سے

آگ کو حضرت ابراہیم کے لیے گلزار بنا دیا اور وہ صحیح و سالم آگ سے نکل آئے۔

قرآن کے الفاظ یہ ہیں:

قالوا حرقوہ وانصروا الھتکم ان کنتم فاعلین قلنا یا نار کونی بردا و سلاما علی ابراھیم و ارادوا بہ کیدا فجعلنا ھم الاخسرین۔ (الانبیاء: ۷۰-۶۸)

ان سب (مشرکین) نے کہا کہ اس (ابراہیم) کو جلا ڈالو اور اپنے دیوتاؤں کی مدد کرو اگر تم چاہتے ہو۔ ہم نے حکم دیا اے آگ تو ابراہیم کے حق میں سرد اور سلامتی بن جا اور انہوں نے ابراہیم کے ساتھ مکر کا ارادہ کیا، لیکن ہم نے ان کے مکر کو ناکام بنا دیا۔

بعض دوسری آیتوں میں اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ اس واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود بعض مغرب زدہ مصنفین نے اس حقیقت کا انکار کیا ہے اور اس کی بنیاد اس بات پر رکھی ہے کہ آگ کی خاصیت اور فطرت ہی جلانا ہے۔ اس لیے یہ بات نیچرل سائنس کے خلاف ہوگی کہ کہا جائے کہ آگ کسی کے لیے گل و گلزار بن گئی اور اس نے اپنی جلانے کی صلاحیت کو کھو دیا۔ حالانکہ آگ میں یہ خاصیت رکھنے والا خدا کی ذات سے یہ بات کیا بعید ہے کہ وہ کسی وقت اس کی خاصیت سلب کر لے اور اب تو خود بلند پایہ سائنسدانوں نے یہ حقیقت واضح کر دی ہے کہ اشیاء میں علت و معلول کا رشتہ کسی داخلی سبب کی بناء پر ہرگز نہیں ہے۔

عظیم سائنسدان سر آرتھر ایڈنگٹن لکھتا ہے کہ:

"سائنس کی تحقیقات سے اشیاء کی کسی اندرونی ایسی خاصیت یا ماہیت کا پتہ نہیں چلتا"

(دیکھئے مذہب و سائنس ص ۸۶)

اور ایک اہم نتیجہ خارجی دنیا میں قانون علت کے ختم ہو جانے کا یہ نکلتا ہے کہ فطرت کے عام اصول اور خرق عادت کے درمیان کوئی واضح فرق باقی نہیں رہ جاتا اور جمیس جینز تو یہاں تک کہتا ہے کہ:

"علت و معلول کا معاملہ تمام تر خدا ہی کے ہاتھ میں ہے، چاہے جس کو بھی خدا کہا جائے"

چنانچہ جدید سائنسی تحقیقات کے نتیجہ میں تو بہت سے سائنسدانوں نے کھل کر اس حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے کہ جس چیز کو ہم خرق عادت یا معجزہ کہتے ہیں، انکا واقع ہونا عقل یا کسی سائنسی تحقیق کے ہرگز منافی نہیں ہے۔

پچھلی صدی میں عام رجحان عقلیت زدہ لوگوں میں معجزات کے انکار کا تھا، لیکن اب تو بڑے بڑے نامور سائنسدانوں نے خود ہی معجزات کے نہ صرف امکان کا اعتراف کیا ہے بلکہ اس کے واقع ہونے پر دلائل فراہم کیے ہیں۔

تفصیلات کے لیے خاص طور پر عربی میں شیخ مصطفیٰ صبری کی "موقف العقل" اور اردو میں مولانا سید سلیمان ندوی کی مرتب کردہ "سیرۃ النبیؐ" کی تیسری جلد دیکھی جا سکتی ہے۔ اس لیے ہمیشہ یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ کسی بات کو کثرت سے پیش نہ آنے کی وجہ سے غیر مانوس محسوس کرنا دوسری بات ہے، لیکن اس سے اس کا عدم امکان ثابت نہیں ہوتا۔

انسان کے علم کے ذرائع جس طرح حواس خمسہ اور عقل ہیں، اسی طرح وحی بھی ایک ذریعہ علم ہے۔ انسان محض اپنی عقل کی مدد سے یا چھو کر، چکھ کر، دیکھ کر، سن کر یا سونگھ کر ان حقائق کو نہیں جان سکتا جو غیبی حقائق کہلاتے ہیں۔ وحی کے نزول اور انبیاء اور رسولوں کی بعثت کا مقصد ہی یہی ہے کہ آدمی خدا کے وجود، حشر و نشر، فرشتہ، جنت و دوزخ وغیرہ جیسی حقیقتوں کو جان سکے اور ان پر ایمان لا سکے۔ اس کے بعد اب اس کی کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ آدمی اپنی محدود عقل کی مدد سے ان امور کے بارے میں رائے زنی شروع کر دے، جن تک عقل کی رسائی، وحی کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے اور پھر ہر اس حقیقت کا انکار کرنے لگے جو اس کی سمجھ میں نہ آئے۔

ہمارا دن رات کا تجربہ ہے کہ ہماری بینائی کی قوت ایک محدود مسافت تک ہی اپنا کام کر سکتی ہے، اسی طرح ہماری قوت سماعت انہیں آوازوں کو سن سکتی ہے جو ایک محدود مسافت سے زیادہ دور نہ ہوں اور ہمارے اور اس آواز کے درمیان کوئی ایسی چیز حائل نہ ہو جو اس کے لئے پردۂ سماعت تک پہنچنے میں رکاوٹ بنے یا آنکھوں کی اسکرین تک اس چیز کے آنے میں حائل ہو جس کو ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔

اسی طرح عقل کی بھی ایک محدود قوت ہے، گو کہ عقل انسان کو ملنے والی نعمتوں میں سب سے قیمتی نعمت ہے۔ لیکن اس پر اس کا بار ڈالنا کہ وہ اپنی دسترس سے آگے عالم غیب کی بھی خبریں لائے اور ان باتوں کے بارے میں بھی فیصلے کرے جو اس دنیا سے تعلق نہیں رکھتیں، ایک غیر معقول بات ہے۔

موجودہ زمانہ کے بعض آزاد طبع مصنفین جن کا سارا سرمایۂ علم مغربی مستشرقین کے جمع

کردہ اوہام کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے، انہوں نے قرآن کو بھی اپنی فکری جولانگاہ بنانے کی کوشش کی اور قرآنی آیات کے ایسے مفہوم متعین کرنے کی فکر میں لگ گئے جن سے ان کی الحاد پسند طبیعت کو غذا ملے اور ان کے وہ کرم فرما بھی خوش ہوں جنہوں نے اس طرح کی فہم کے لیے ان کو تیار کیا ہے۔ اس طرح کی تاویلات کو قرآن کی تفسیر ہرگز نہیں کہا جاسکتا، وہ قرآن کے بیان کردہ فکر و عقیدہ میں کھلی ہوئی تحریف کے مرادف ہے اور بجا طور پر اس پہ یہ بات صادق آتی ہے کہ

ع خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

اس موقع پر ہم ایک مثال ذکر کرتے ہیں جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کی یہ جرأت کس قدر نامناسب اور قرآن کی روح سے دور اور اس کے منافی ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت جس میں اللہ عز وجل نے فرمایا ہے: وَ إِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَ اسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ.

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا تم آدم کو سجدہ کرو تو سبھوں نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے جس نے انکار کیا، تکبر کی راہ اختیار کی اور کافروں میں شامل ہو گیا۔

اس کی تفسیر میں ایک صاحب لکھتے ہیں کہ "ملائکۃ" سے مراد فطرت کے قوانین ہیں اور ان کے سجدے سے مراد ان کی تسخیر ہے اور "ابلیس" سے مراد ہر وہ شخص ہے جو کبر و غرور میں مبتلا ہو اور "جن" اور "شیطان" سے مراد بھی وہ چیزیں ہیں جن کی انسان تسخیر نہ کر سکتا ہو۔

قرآن کریم کے بعض نادان دوست اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ اس میں کون و مکاں کے سارے مسائل ذکر کر دیئے گئے ہیں اور فلکیات اور سائنس کی وہ حقیقتیں جنکی دریافت کو قدرت نے خود انسان کی سعی و محنت پر موقوف اور اس کی عقلی تگ و دو کی حدود میں رکھا ہے، اس کو بھی قرآن ہی میں تلاش کرے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ قرآن کے اصل موضوع یعنی ہدایت کو بھول جاتے ہیں اور اس سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ ایسی حقیقتیں جو دریافت کی ابھی ابتدائی منزل میں ہوں اور جن کے بارے میں اس کا احتمال موجود ہو کہ مزید جستجو اور تحقیق کے بعد ان کے بارے میں لوگوں کے نظریات بدل جائیں گے ان کو قرآن سے مربوط کر دینے کے نتیجہ میں خود قرآن کریم کے بارے میں لوگوں کو یہ شبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ اس کے بیان کردہ حقائق ابدی اور اٹل نہیں ہیں، اور جو محض اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ہر دن بدلنے والے نظریات کو

ہم غلط طور پر قرآن سے مستنبط کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ قرآن کا اصل موضوع سائنسی حقائق کا بیان نہیں ہے، بلکہ انسانیت کی ہدایت ہے۔ اللہ نے خود ہی قرآن کے نزول کے مقصد پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی ہے۔

قدْ جاءَ کُمْ مِنَ اللّٰہِ نُورٌ وَ کتابٌ مُبِینٌ . یهدی به اللّٰہ من اتّبع رضوانه سُبُل السّلام و یُخرجهُم مَن الظُلُمات الی النُورْ باذنه و یهدیهُم الی صراط مُستقیم .

(سورۃ المائدۃ: ۱۶،۱۵)

تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روشنی اور ایک کھلی ہوئی کتاب آئی ہے۔ تاکہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو جو خدا کی خوشنودی کے طالب ہوں سلامتی کی راہ بتائیں اور ان کو اللہ کی اجازت سے ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے آئیں اور ان کو سیدھے راستہ کی ہدایت کریں۔

اس لیے یہ بات اچھی طرح ذہن نشیں کر لینی چاہئے کہ قرآن ایک کتاب ہدایت ہے۔ اس کے نزول کا مقصد لوگوں کے دلوں کی تطہیر اور پاکیزگی ہے، انجینئرنگ یا ڈاکٹری کے اصولوں کا بیان نہیں ہے، اس لیے ایسی کوشش کہ نئے اور پختہ اور ناپختہ نظریہ کو قرآن کی طرف منسوب کیا جائے، قرآن کی خدمت نہیں ہوگی بلکہ اس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ زیادہ ہے۔ البتہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ جو نظریات واقعی تجربات کی کسوٹی پر دو اور دو چار کی طرح واضح اور یقینی بن گئے ہوں، ضمنی طور پر ان کا ذکر کیا جائے، یا اسے قرآن کی صداقت کی دلیل کے طور پر پیش کیا جائے۔

خواب و بیداری
حدیث کی روشنی میں

٭ مولانا احمد عبد المجیب قاسمی ندوی

خواب و بیداری، یعنی سونا اور جاگنا، انسان کی روزمرہ کی زندگی کا ایک ناگزیر عمل اور اس کی فطرت و ساخت کا ایک حصہ ہے۔ انسان کی فطرت میں جو اجزاء شامل ہیں، ان میں یہ ایک اہم "جز" ہے، جس طرح آب و ہوا اور خورد و نوش، اس کی بنیادی ضروریات میں سے ہیں، اسی طرح حرکت و عمل کے بعد سکون اور زندگی کی دوڑ دھوپ اور "چکی کی مشقت" کے بعد استراحت و آرام بھی نہایت ضروری ہے۔

یہ بھی ان نشانیوں میں سے ہے جو ایک خالق حکیم کی حکیمانہ تدبیر کا پتہ دیتی ہیں، کہ وہ محض خالق ہی نہیں، بلکہ اپنی مخلوق پر غایت درجہ رحیم و شفیق اور اس کی ضروریات اور مصلحتوں کے لئے خود اس سے بڑھ کر فکر کرنے والا ہے۔ انسان دنیا میں ہر دم محنت نہیں کر سکتا، بلکہ ہر چند گھنٹوں کی محنت کے بعد اسے چند گھنٹوں کے لئے آرام درکار ہوتا ہے، تاکہ تازہ دم ہو کر پھر چند گھنٹے محنت کرنے کے لئے اسے قوت بہم پہنچ جائے، اس غرض کے لئے خالق حکیم و رحیم نے انسان کے اندر صرف تکان کا احساس اور صرف آرام کی خواہش پیدا کرنے پر ہی اکتفاء نہیں کیا بلکہ اس نے "نیند" کا ایک ایسا زبردست داعیہ اس کے وجود میں رکھ دیا، جو اس کے ارادے کے بغیر، حتی کہ اسکی مزاحمت کے باوجود خود بخود ہر چند گھنٹوں کی بیداری و محنت کے بعد اسے آدبوچتا ہے، چند گھنٹے آرام کر لینے پر اس کو مجبور کر دیتا ہے اور ضرورت پوری ہو جانے کے بعد خود بخود اسے چھوڑ دیتا ہے۔ یہی نیند اس بات پر بھی گواہ ہے کہ جس نے یہ مجبور کن داعیہ انسان کے اندر رکھا ہے وہ انسان کے حق میں خود اس سے بڑھ کر خیر خواہ ہے، ورنہ انسان بالارادہ نیند کی مزاحمت کر کے اور زبردستی جاگ جاگ کر اور مسلسل کام کر کے اپنی قوت کار ہی کو نہیں، قوتِ حیات تک کو ختم کر ڈالتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے "نیند" کو اپنے احسانات و انعامات میں شمار فرمایا ہے اور اس کو راحت و آرام اور سکون کا ذریعہ بتایا ہے:

و من اٰیاتہ منامکُم باللّیل (روم - ۳)

ترجمہ : اس کی نشانیوں میں سے تمہارا رات اور دن میں سونا ہے۔

و ھُو الّذی جعل لکُمُ اللّیل لباسا و النّوم سُباتا و جعل النّھار نُشُورا (الفرقان ٤٧)

ترجمہ : وہ وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے رات کو پردہ کی چیز اور نیند کو آرام کی چیز اور دن کو (گویا) جی اٹھنے کا وقت بنا دیا۔

و جعلنا نومکُم سُباتا و جعلنا اللّیل لباسا (نبا : ۹- ۱۰)

ترجمہ : اور ہم ہی نے تمہاری نیند کو راحت کا ذریعہ بنا دیا اور ہم ہی نے رات کو پردہ کی چیز بنا دیا۔

اس سلسلہ میں آنحضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی نعمت شناسی اور اس کے حق کی ادائیگی کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ تم پر تمہاری آنکھ کے بھی حقوق ہیں۔

انسانی زندگی کے دیگر معمولات کی طرح اس باب میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات اور معمولات کا تذکرہ کتب حدیث میں ملتا ہے اور اس سے تعلیمات نبوی کی جامعیت اور ہمہ گیری کا ہر کوئی اندازہ کرسکتا ہے۔ ایک مومن اگر اپنی زندگی کے اس حصہ کو حدیث وسنت کی روشنی سے منور کرے اور معمولات کو نبوی طریق کے مطابق بنانے کی کوشش کرے تو خواب وبیداری اور استراحت و آرام بھی طاعت وعبادت بن جائے اور "نقش نبوی" کی پیروی سے "رضاء الٰہی" کا پروانہ مل جائے۔

صبح وشام کا معمول

انسان ہر وقت آخرت کے سفر میں ہے، ہر صبح اور ہر شام زندگی کی ایک منزل طے ہوتی ہے اور اگلی منزل شروع ہو جاتی ہے، عمر کا ایک مرحلہ گذرتا ہے اور انسان اپنی حقیقی منزل سے قریب ہوتا رہتا ہے۔ بقول شاعر:

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی گردوں نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹا دی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں اپنے ارشادات وفرامین اور عملی نمونہ کے ذریعہ امت کو جو درس وہدایت دی ہے، وہ یہ ہے کہ ہر صبح وشام انسان خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو تازہ کرے، نعمتوں پر شکر گذار رہے اور کوتاہیوں پر شرمسار۔ اس سلسلے میں آپ صلی

---

(۱) بخاری عن ابن عمر باب حق الضیف

اللہ علیہ وسلم سے جو مناسب وقت و مناسب حال دعائیں منقول ہیں، وہ بہت ساری ہیں، تاہم اس موقع پر ایک دو روایتیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں، تاکہ رات اور دن کے ابتدائی حصہ میں ان دعاؤں کے اہتمام سے قلب وروح کو ذکرالٰہی کا کیف وسرور حاصل ہو۔

حضرت ابومالک اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب صبح ہو تو کہو:

أَصْبَحْنَا و أَصْبَحَ الْمُلْكُ لله رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اللّٰهُمَّ إنِّيْ أَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذا الْيَوْمِ فَتْحَهُ و نَصْرَهُ و نُوْرَهُ و بَرَكَتَهُ و هُدَاهُ و أَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا فِيْهِ و شَرِّ مَا بَعْدَهُ.

ترجمہ: صبح اس حالت میں ہوئی کہ ہم اور ساری کائنات اللہ رب العالمین کے ملک اور اس کے قبضہ میں ہے۔اے اللہ! میں تجھ سے اس دن کی خیر اور فتح ونصرت، نور وبرکت اور ہدایت کا سائل ہوں اور اس دن اور اس کے بعد کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

پھر جب شام ہو تو اسی طرح کہے۔البتہ أصبحنا کی جگہ أمسینا اور أصبح کی جگہ أمسی پڑھے۔(۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو کوئی سورہ روم کی تین آیتیں فسبحان الله حين تمسون و حين تصبحون الخ (آیت ۱۷،۱۸،۱۹) صبح ہونے پر تلاوت کرے وہ اس دن کی وہ ساری خیر اور برکتیں پالے گا جو اس سے فوت ہوئی ہوں گی اور اسی طرح جو کوئی شام آنے پر یہ تین آیتیں تلاوت کرے وہ اس رات کی وہ ساری خیر وبرکات پالے گا جو اس سے فوت ہوئی ہوں گی۔(۲)

ایک روایت میں ہے کہ جو شخص ہر دن کی صبح اور ہر رات کی شام کو تین دفعہ یہ دعا پڑھ لیا کرے اسے کوئی مضرت نہیں پہنچے گی اور کسی حادثہ سے دوچار نہیں ہوگا۔ دعا یہ ہے:

بسم الله الّذي لا يضرّ مع إسمه شئ في الأرض و لا في السماء و هو السميع العليم (۳)

اس اللہ کے نام سے جس نام کے ساتھ زمین وآسمان کی کوئی چیز بھی ضرر نہیں پہنچا سکتی اور وہ سب سننے والا اور جاننے والا ہے۔

---

(۱) ابو داؤد کتاب الادب ۶۹۳/۲ (۲) ابو داؤد ۶۹۲/۲ (۳) سنن ترمذی عن عثمان بن عفان ابواب الدعوات ۱۷۶/۲

حضرت عبد اللہ بن خبیبؓ کی روایت سے معلوم ہوتا کہ جو آدمی ان دعاؤں کو نہ پڑھ سکے تو اس کے لیے سورۂ اخلاص (قُل هو الله احد) اور معوذتین (قُل اعوذ برب الفلق اور قُل أعوذ برب النّاس) تین سورتیں، تین مرتبہ صبح و شام پڑھ لینا کافی ہے (۱)

حقیقت یہ ہے کہ سونے سے پہلے اور جاگنے کے بعد صبح و شام کے ابتدائی حصہ میں ان دعاؤں کا ورد، آفات ارضی و سماوی سے حفاظت کی ضمانت ہے۔

جب شام ہو جائے

جب شام ہو جائے تو چھوٹے بچوں کو گھر سے نکلنے نہ دیا جائے، اس لیے کہ اس وقت شیاطین زمین میں پھیل جاتے ہیں تاہم رات کا کچھ حصہ گذر جائے تو باہر جانے کی اجازت دی سکتی ہے۔ (۲) مغرب کی اذان کے وقت یہ دعاء حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے:

اللّهُمّ هذا اقبالُ ليلك و ادبارُ نهارك و أصواتُ دُعاتك فاغفرلي (۳)

"خدایا! یہ وقت ہے تیری رات کے آنے کا، تیرے دن کے جانے کا اور تیرے مؤذنوں کی پکار کا، پس تو میری مغفرت فرما۔

سونے سے پہلے وضو کا اہتمام

یوں تو ہر مسلمان کو ہمیشہ باوضو رہنا چاہیے، کہ اس سے شہادت کی موت نصیب ہوتی ہے، تاہم رات کو سونے سے قبل خصوصیت کے ساتھ وضو کا اہتمام آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک معمول تھا۔ حضرت براءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "تم جب بستر پر سونے کے لئے جاؤ تو وضو کر لو۔ (۴) رات کے کسی حصہ میں اگر کسی کو غسل کی ضرورت پیش آجائے اور وہ اس کے بعد سونا چاہے تو پہلے نجاست کے حصہ کو دھو ڈالے اور وضوء کر کے سو جائے۔ (۵) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے اٹھتے تو آپ صرف چہرے اور ہاتھ دھو کر سو جایا کرتے۔ (۱)

سرمہ لگانا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا روزانہ رات میں سونے سے پہلے سرمہ لگانے کا معمول حدیث

---

(۱) ابو داؤد کتاب الادب ۲/۶۹۳ (۲) صحاح ستہ (۳) مشکوۃ عن أم سلمة باب فضل الأذان واجابة المؤذن والہ ابو داؤد (۴) اتحاف السادة المتقين (۵) صحيح مسلم عن عائشه كتاب الحيض (۶) زاد المعاد

سے ثابت ہے۔ کبھی آپ ہر آنکھ میں تین تین مرتبہ سلائی لگاتے (۱) اور کبھی ہر آنکھ میں دو مرتبہ اور آخری ایک سلائی دونوں آنکھوں میں لگاتے۔ (۲)

سونے سے قبل ادعیہ واذکار

نیند بیداری اور موت کے درمیان کی ایک حالت ہے، اسی لیے نیند کو موت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ آپ ﷺ سے اس موقع کے لئے حدیث کی کتابوں میں متعدد دعائیں منقول ہیں، جن میں خدا کی یاد کا اہتمام، گناہوں سے معافی، آخرت کے دھیان، حمد وشکر اور آنے والی حقیقی زندگی کی تیاری کی تلقین کی گئی ہے۔ یہاں چند دعائیں اور معمولات نقل کیے جاتے ہیں۔

حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو آرام فرمانے کے لیے بستر پر لیٹتے تو اپنا ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ لیتے (یعنی داہنا ہاتھ داہنے رخسار کے نیچے رکھ کر داہنی کروٹ پر قبلہ رو لیٹ جاتے) اور پھر اللہ کے حضور میں عرض کرتے۔

الحمد لله الذی احیانا بعد ما أماتنا و إليه النشور (۳)

حمد وشکر اس اللہ کے لیے ہے جس نے موت طاری کرنے کے بعد ہم کو جلایا اور بالآخر ہمیں اس کے پاس جانا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دائمی معمول تھا کہ جب رات کو سونے کے لیے لیٹتے تو قُل ھو اللہ احد، قُل اَعوذُ برب الفلق، اور قُل اَعوذُ برب النّاس: یہ تینوں سورتیں پڑھ کے دونوں ہاتھوں پر دم کرتے اور جہاں تک آپ کے ہاتھ پہونچ سکتے ان کو جسم مبارک پر پھیرتے۔ پہلے سر اور چہرے پر اور جسم کے سامنے کے حصہ پر پھیرتے۔ تین دفعہ یہ عمل کرتے۔ (۴)

سونے سے پہلے کی ایک روح پرور اور معجزانہ دعا یہ بھی ہے:

"اللّهم أسلمت وجهي إليك و فوّضت أمري إليك و ألجأت ظهري إليك رهبة و رغبة إليك لا ملجأ و لا منجأ منك إلا إليك امنت بكتابك الّذي أنزلت و نبيك الّذي أرسلت"

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کو یہ دعا تلقین فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۳) (بخاری کتاب الدعوات ۲/۹۳۴) (٤) (بخاری عن عائشة کتاب فضائل القرآن باب ١٤، ٢/٧٥٠) (۱) الوفا باحوال المصطفى لابن الجوزی باب فی اکتحال عند نومه نسائی کتاب الطهارة (۲) ابن سعد عن ابن عباس، بحواله مسند احمد و مستدرك حاكم

نے ارشاد فرمایا کہ رات کو سونے سے پہلے یہ دعا، تمہارا آخری بول ہو، یعنی اس دعا کے بعد کوئی بات نہ کرو اور بس سو جاؤ، اگر اللہ کے حکم سے اس حال میں تم کو موت آگئی تو تمہاری موت بڑی مبارک اور دین فطرت پر ہوگی۔ (۱)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آپ بستر پر تشریف لے جاتے یہ دعا پڑھتے:

الحمد للہ الذی اطعمنا و سقانا و کفانا و آوانا فکم ممن لا کافی له و لا مؤوي ۔ (۲)

ترجمہ: شکر و تعریف خدا ہی کے لیے ہے جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور جس نے ہمارے کاموں میں بھرپور مدد فرمائی اور جس نے ہمارے رہنے بسنے کو ٹھکانا بخشا۔ کتنے ہی لوگ ہیں جن کا نہ کوئی معین و مددگار ہے اور نہ کوئی ٹھکانا دینے والا۔"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے یہ دعا پڑھ لیا کرتے۔

بِاسْمِكَ رَبِّي وَضَعْتُ جَنْبِي وَ بِكَ أَرْفَعُهُ إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَارْحَمْهَا وَ إِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ ۔ (۳)

اے میرے رب! تیرے ہی نام سے میں اپنا پہلو بستر پر رکھا اور تیرے ہی سہارے میں اس کو بستر سے اٹھاؤں گا، اگر تو رات ہی میں میری جان قبض کرے تو اس پر رحم فرما اور اگر تو اسے چھوڑ کر مزید مہلت دے تو اس کی حفاظت فرما، جس طرح تو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب آپ سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنا داہنا ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ کر لیٹ جاتے اور تین دفعہ یہ دعا کرتے "اللّٰھُمَّ قِنی عذابك یومَ تبعثُ عبادك" اے میرے اللہ! قیامت کے دن اپنے عذاب سے بچا، جب کہ بندے دوبارہ زندہ کئے جائیں گے۔ (۴)

حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص سونے کے لیے بستر پر لیٹنے کے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح توبہ و استغفار کرے اور تین دفعہ عرض کرے:

---

(۱) بخاری عن البراء بن عازب کتاب الدعوات ۲/۹۳۴ (۲) ابو داؤد ابواب النوم ۲/۶۸۹ (۳) ترمذی ابواب الدعوات ۲/۱۷۷ (۴) ابو داؤد کتاب الادب ۲/۶۸۸

"أستغفر الله الذی لا إله إلا هو الحی القیوم و أتوب إلیه" (میں مغفرت و بخشش چاہتا ہوں اس اللہ سے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، جو حی و قیوم ہے، ہمیشہ رہنے والا اور سب کا کارساز ہے، اس کے حضور میں توبہ کرتا ہوں) تو اسکے سب گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ درختوں کے پتوں اور مشہور ریگستان عالج کے ذروں اور دنیا کے دنوں کی طرح بے شمار ہوں۔(۱)

بستر پر پہنچنے کے بعد قرآن حکیم کی تلاوت

سونے کے لئے بستر پر پہنچنے کے بعد قرآن حکیم کا کچھ حصہ ضرور تلاوت کرنا چاہئے۔ آپ ﷺ کا یہ مستقل معمول تھا۔ خود آپ کا ارشاد گرامی ہے: "جو شخص اپنے بستر پر آرام کرنے کے وقت کتاب اللہ (قرآن مجید) کی کوئی سورت پڑھتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتا ہے، جو ہر تکلیف دہ چیز سے اس کے بیدار ہونے تک اس کی حفاظت کرتا ہے، خواہ وہ کسی بھی وقت نیند سے بیدار ہو۔" (۲)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب آدمی سونے کے لیے اپنے بستر پر پہنچتا ہے تو اسی وقت ایک فرشتہ اور شیطان اس کے پاس آپہنچتے ہیں، فرشتہ اس سے کہتا: "اپنے اعمال کا خاتمہ بھلائی پر کرو اور شیطان کہتا ہے اپنے اعمال کا خاتمہ برائی پر کرو" پھر اگر آدمی خدا کا ذکر کر کے سویا تو فرشتہ رات بھر اسکی حفاظت کرتا ہے۔" (۳)

چنانچہ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے پہلے "مسبحات" پڑھا کرتے تھے۔ (۴)

"مسبحات" سے مراد وہ سورتیں ہیں جو سبحان، سبح یا یسبح سے شروع ہوتی ہیں۔ یہ کل سات سورتیں ہیں: سورۃ اسراء، سورۃ حدید، سورۃ الحشر، سورۃ الصف، سورۃ الجمعہ، سورۃ التغابن، سورۃ الأعلیٰ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ زمر کی تلاوت کے بغیر نہیں سوتے تھے۔ (۵)

---

(۱) الوفا باحوال المصطفی لابن الجوزی باب فی اکتحال عند نومه نسائی کتاب الطهارة (۲) ابن سعد عن ابن عباس بحواله مسند احمد و مستدرك حاکم (۳) بخاری کتاب الدعوات ۲/۹۳۴ (۴) بخاری عن عائشة کتاب فضائل القرآن باب ۱۴، ۷۵۰ ۲ (۵) ترمذی ابوب الدعوات ۱۷۸ ۲

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہتمام کے ساتھ سونے سے پہلے سورۂ سجدہ اور سورۂ ملک کی تلاوت فرماتے تھے۔(۱) تاہم ان بڑی سورتوں کے علاوہ بعض چھوٹی سورتوں اور مختصر آیات قرآنی کا تذکرہ بھی احادیث میں ملتا ہے۔

حضرت نوفل اشجعیؓ فرماتے ہیں کہ آنحضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا: سورۂ قُل یا أیها الکافرون پڑھ کر سویا کرو، اس میں شرک سے پوری براءت ہے(۲) ایک صحابی کو آپ ﷺ نے بستر پر پہنچنے کے بعد سورۂ الحشر کی تلاوت کا حکم فرماتے ہوئے کہا کہ اگر تمہارا انتقال اسی نیند کی حالت میں ہو جائے تو تمہارا شمار شہیدوں میں ہوگا۔(۳)

اس کے علاوہ سورۂ اخلاص اور معوذتین، جن کا ذکر سطور بالا میں آچکا ہے اور آیۃ الکرسی، نیز سورۂ بقرہ کی آخری تین آیات پڑھنے کی تائید بھی احادیث میں ملتی ہے۔(۴)

مقصود یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنی فرصت اور استطاعت کے بقدر قرآن پاک کا کچھ حصہ پڑھ کر سونے کا اہتمام کرے اور سنت نبوی پر عمل کی سعادت حاصل کرلے۔

بیداری کے بعد کی دعا

نیند سے بیدار ہونے پر جو دعائیں آپ ﷺ سے منقول ہیں ان میں یہ دعا بھی ہے:

الحمد للّٰه الّذی أحیانا بعد ما أماتنا و إلیه النّشور (۵)

ترجمہ: ساری حمد و ستائش اس اللہ کے لیے جس نے ہمیں (ایک طرح کی) موت دینے کے بعد جلا دیا اور مرنے کے بعد اسی کی طرف ہمارا اٹھنا ہوگا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی بندہ نیند سے بیدار ہو کر یہ دعا پڑھے:

الحمد للّٰه الّذی خلق النوم و الیقظة الحمد للّٰه الّذی بعثنی سالما سویا، أشهد أن اللّٰه یحیی الموتی و هو علی کلّ شیٔ قدیر. (ترجمہ) تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے نیند اور بیداری کو پیدا فرمایا، ساری تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے مجھے صحت و سلامتی کے ساتھ بیدار فرمایا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ مردوں کو زندگی بخشتا ہے، وہ ہر چیز پر

---

(۱) اتحاف ۵/۴۶۳ (۲) ترمذی ابواب الدعوات ۲/۱۷۷ (۳) الأذکار ص ۱۳۷ (۴) الأذکار ص ۱۴۰ (۵) بخاری کتاب الدعوات ۸/۸۵ عن ابی ذر

قادر ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "صدق عبدی" میرے بندے نے سچ کہا۔(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نیند سے بیدار ہوتے تو اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے: لا اله الا انت سبحانك اللّهم وبحمدك. أستغفرك لذنبي و أسئلك رحمتك . اللّهم زدني علما و لا تزغ قلبي بعد إذ هديتني و هب لي من لدنك رحمة إنك أنت الوهّاب .(۲) اے اللہ! تو ہی معبود برحق ہے، تیرے سواء کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، ہر حمد و ثنا کا تو سزاوار ہے میں اپنے گناہوں کی تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور تیری رحمت کا سائل ہوں۔ اے میرے اللہ! میرے علم و معرفت میں اضافہ فرما اور میرے دل کی حفاظت فرما، تاکہ تیری طرف سے ہدایت ملنے کے بعد وہ کج روی اختیار نہ کرے اور اپنے کرم سے مجھے اپنی رحمت سے نواز۔ تو بڑی بخشش والا اور بہت عطا فرمانے والا ہے۔

سونے کی کیفیت

دین محمدیؐ کا اسے اعجاز ہی کہنا چاہئے کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سونے اور لیٹنے کی ہیئت اور کیفیت کو بھی آپؐ کے جاں نثار و عشاق صحابہ نے نہایت اہتمام کے ساتھ امت تک منتقل کیا ہے۔ اس سلسلہ کی حدیثوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے ایک پاؤں کو اٹھا کر اس پر دوسرے پاؤں کو رکھ کر لیٹنے سے منع فرمایا ہے کیوں کہ عرب کے لوگ عموماً تہبند باندھتے تھے اس لیے اس میں کشف عورت (ستر کا حصہ کھل جانے) کا احتمال ہے، تاہم اگر یہ اندیشہ نہ ہو تو جائز ہے، کیوں کہ ایک حدیث میں ہے کہ خود رسول اللہ ﷺ اس طریقے سے لیٹتے تھے۔(۳)

آپ کا معمول تھا کہ جب بستر پر لیٹتے تو اپنا ہاتھ رخسارِ مبارک کے نیچے رکھ لیتے۔ (بخاری)

سونے کی ہیئت میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک یہ تھا کہ ابتداء شب میں سوتے تو دائیں کروٹ پر سوتے اور صبح کے قریب سوتے تو بازو اٹھا کر اس کے سہارے سوتے۔(۴)

آپؐ نے اوندھے لیٹنے اور پیٹ کے بل سونے سے منع فرمایا ہے۔ ایک بار ایک شخص کو رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح سوئے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ سونے کا یہ طریقہ خدا کو پسند نہیں۔(۵)

---

(۱) الأذكار ص ٤٤ (۲) ابوداؤد باب ما يقول إذا تعار من الليل الأذكار للنووی ص ٤٥ (۳) الوفاء باحوال المصطفى ۷۹۱ (۴) مشكوة عن ابی قتادة باب الجلوس والنوم والمشى (۵) ترمذی، ابوداؤد

نبی اکرمؐ کا بستر

ایک مؤمن کے لیے دنیا کی زندگی سخت کوشی، جفاکشی، حرکت وعمل اور جہاد و مجاہدہ سے عبارت ہے، آرام طلبی اور عیش پسندی اسے کسی طرح زیبا نہیں دیتی، اس لیے استراحت میں بھی مبالغہ آمیز حد تک لوازمات و تکلفات سے پرہیز نہایت ضروری ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر چمڑے کا تھا، جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ (۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا آپ کے یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر کیسا تھا؟ فرمایا ایک ٹاٹ تھا جس کو دہرا کر کے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بچھا دیا کرتے تھے۔ ایک روز مجھے خیال آیا کہ اگر اس کو چوہرا کر کے بچھا دیا جائے تو وہ ذرا زیادہ نرم ہو جائے؛ چنانچہ میں نے اسکو چوہرا کر کے بچھا دیا۔ صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: رات میرے لیے کیا چیز بچھائی تھی؟ میں نے کہا وہی ٹاٹ کا بستر تھا، البتہ رات میں نے اس کو چوہرا کر کے بچا دیا تھا، تاکہ کچھ نرم ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں اس کو دہرا ہی رہنے دیا کرو، رات بستر کی نرمی تہجد کے لیے اٹھنے میں رکاوٹ بنی۔ (۲)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اسوہ، ہر مسلمان کے لیے درسِ عبرت و موعظت ہے اور زندگی میں سادگی اختیار کرنے کی تلقین ہے۔

عشاء سے پہلے سونے کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا ہے، کہ اس سے نماز عشاء کے فوت ہونے کا اندیشہ ہے (۳) عشاء کے بعد غیر ضروری گفتگو کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسند نہیں فرماتے اور سو جاتے (۴) ہاں مسلمانوں کی کوئی مصلحت ہوتی تو عشاء کے بعد بھی کچھ جاگ لیتے (۵) رات کے آخری حصہ میں بیدار رہتے، کیوں کہ یہی آپؐ کے تہجد کا وقت تھا۔

بے خوابی اور بدخوابی کی شکایت

کسی کو اگر نیند نہ آنے کی شکایت ہو تو نبی رحمتؐ کی سکھائی ہوئی یہ دعاء پڑھے۔

"اللّٰهم ربَّ السّماوات السبع و ما أظلت و رب الأرضين و ما أقلت و ربَّ الشياطين و ما أظلت كن لى جارا من شر خلقك كلهم جميعا أن يفرط عليَّ أحد أو أن يبغى عليَّ عزَّ

---

(۱) اتحاف السادۃ المتقین ج ۹ ص ۳٦٤ بحوالہ ابن ماجہ (۲) شمائل ترمذی (۳) زاد المعاد ج ۱ ص ۵٦ (۴) ابوداود باب النہی عن السمر بعد العشاء (۵) زاد المعاد ج ۱ ص ۵٦

جارك و جل ثناؤك و لا اله غيرك لا اله الا أنت "(۱)

ترجمہ: اے اللہ! ساتوں آسمانوں کے اور ان سب چیزوں کے مالک جو اس پر واقع ہیں اور شیاطین اور انکی گمراہ کن سرگرمیوں کے مالک! اپنی ساری مخلوق کے شر سے مجھے اپنی پناہ اور حفاظت میں لے لے، کوئی مجھ پر زیادتی اور ظلم نہ کرنے پائے۔ باعزت اور محفوظ ہے وہ جس کو تیری پناہ حاصل ہے۔ تیری حمد و ثنا کا مقام بلند ہے، تیرے سوا کوئی لائق پرستش نہیں، بس تو معبودِ برحق ہے۔

نیند کی حالت میں کوئی ناپسندیدہ یا ڈراونا خواب دیکھ لے تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہیے۔

"أعُوذُ بكلماتِ اللهِ التَّامَاتِ مِنْ غَضبهِ و عذابهِ و مِنْ شرِّ عِبادهِ و مِنْ همزاتِ الشَّياطِيْن و أنْ يحضُرُوْن" (۲)

ترجمہ: میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے کلمات تامات کے ذریعہ خود اس کے غضب اور عذاب سے اور اس کے بندوں کے شر سے اور شیطانی وساوس اور اثرات سے اور اس بات سے کہ شیاطین میرے پاس آئیں اور مجھے ستائیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کلمات کے پڑھنے کے بعد پھر شیاطین اس بندے کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ ان کی اولاد میں جو بڑے اور بالغ ہو جاتے تو ان کو یہ دعا تلقین فرماتے، تاکہ وہ اس کو اپنا معمول بنالیں اور جو بچے چھوٹے ہوتے تو یہی دعا ایک کاغذ پر لکھ کر ان کے گلے میں بطورِ تعویذ ڈال دیتے۔

بے حصار چھت پر سونے کی ممانعت

جو چھت دیواروں یا منڈیروں سے گھیری نہ گئی ہو، اس پر سونے سے اندیشہ ہے کہ آدمی نیند کی غفلت میں چھت سے نیچے گر جائے، اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ (۳) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی گھر کی ایسی چھت پر سو جائے تو وہ شخص اللہ کے اس حفاظتی انتظام کا استحقاق کھو دیتا ہے اور ملائکہ محافظین کی کوئی ذمہ داری نہیں رہتی، بلکہ وہ خود اس کا ذمہ دار رہتا ہے۔ (مشکوۃ عن علی بن شیبان بحوالہ ابو داؤد)

---

(۱) ترمذی عن بریدۃ کتاب الدعوات (۲) ابو داؤد ابواب الطب عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ۲/۵۳۴ (۳) مشکوۃ عن جابر باب الجلوس و النوم و المشي بحواله ترمذی

متفرق آداب

سونے کے وقت گھر کا دروازہ بند کر لینا چاہئے، کھانے کے برتن کو ڈھانک دینا چاہئے اور چراغ بجھا دینا چاہئے، کیونکہ بعض مرتبہ تیل کی خاطر چوہے چراغ کی بتی کو اٹھا لے جاتے ہیں، جس سے گھر میں آگ لگنے کا اندیشہ رہتا ہے، یہی حال آگ کا بھی ہے۔ ایک مرتبہ مدینہ میں رات کو کسی کے گھر میں آگ لگ گئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آگ تمہاری دشمن ہے، جب سوؤ تو اس کو بجھا دیا کرو۔ اذا نمتم فاطفوا سرجکم (۱)

سونے کے لئے جب بستر پر جائے تو اس سے پہلے تین مرتبہ بستر جھاڑ لیا جائے، اس لئے کہ معلوم نہیں آدمی کی غیر موجودگی میں اس پر کیا چیز چلی گئی ہے۔ (۲) اس عمل کے ذریعہ مختلف موذی اور مضر چیزوں سے حفاظت ہوتی ہے اور یہ نظافت پسندی اور خوش سلیقگی کا تقاضا بھی ہے۔

سونے کے لئے آدمی جب اپنا لباس تبدیل کرے تو یہ دعا پڑھے:

"بسم اللہ الّذی لا الٰہ الا ھُو" (۳)

نیند سے بیدار ہونے کے بعد مسواک کرنا بھی حضورِ اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔ آپ کا معمول تھا کہ سونے کے وقت مسواک اپنے سرہانے رکھ لیتے، جب بیدار ہوتے تو سب سے پہلے مسواک فرماتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات یا دن میں جب بھی سوتے تو اٹھ کر مسواک ضرور کرتے۔ (۴)

سحر خیزی

شب بیداری اور سحر خیزی ایک عظیم نعمت ہے۔ رات کے آخری حصہ میں اٹھ کر خدا کے حضور رکوع و سجود بجالانا، خدائے بے نیاز کے سامنے سرِ نیاز خم کرنا، آخرت کی یاد اور عقبیٰ کا خوف دل میں پیدا کرنا، اللہ تعالیٰ سے تعلق کو مستحکم کرنا اور خدا کے فضل و احسان کے متلاشی رہنا خدا کے محبوب و مقبول بندوں کا امتیاز ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں ارشادِ باری ہے:

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ . (۵)

---

(۱) (ابو داؤد عن ابن عباس کتاب الادب ۲ / ۷۱۲)، (۲) (ترمذی عن ابی ہریرۃ ابواب الدعوات ۲ / ۱۷۷)، (۳) (الاذکار للنووی باب ما یقول اذا خلع ثوبہ لغسل او نوم) (۴) (مشکوٰۃ، باب السواك بحوالہ ابو داؤد) (۵) (الذریت ۱۷-۱۸)

ترجمہ: وہ رات کو تھوڑا سوتے اور صبح کے وقتوں میں استغفار کرتے۔ یعنی رات کا اکثر حصہ عبادتِ الٰہی میں گذارتے اور سحر کے وقت جب رات ختم ہونے کو آتی، اللہ سے اپنی تقصیرات کی معافی مانگتے کہ الٰہی! حق عبودیت ادا نہ ہو سکا، جو کوتاہی رہی اپنی رحمت سے معاف فرما دیجئے۔ کثرتِ عبادت ان کو مغرور نہ کرتی تھی بلکہ جس قدر بندگی میں ترقی کرتے جاتے خشیت وخوف بڑھتا جاتا تھا۔ (۱) اخلاص و احسان کے ساتھ رات کے آخری حصہ میں، جب کہ دنیا سوئی ہوئی ہو اور ماحول پر سکینت طاری ہو، ذکر و تسبیح، توبہ و استغفار اور دعا و عبادت کی لذت سے آشنا ہونا، یقیناً توفیق خداوندی کا ایک حصہ ہے۔ سلف صالحین کا تجربہ ہے کہ شب بیداری کے لئے سورۂ کہف کی ابتدائی اور آخری دس آیتیں پڑھ کر سویا جائے تو قیام اللیل کے لئے توفیق ملتی ہے اور آدمی اسوقت بیدار ہو جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ ایک دعا بھی پڑھ لی جائے تو بہتر ہے۔

اللّٰهم أيقظني في أحبِّ الساعات إليك و إستعملني باحب الأعمال إليك التي تقرّبني إليك زلفى و تبعدني من سخطك بعد أسألك فتعطيني و استغفرك فتغفرلي و ادعوك فتستجيب لي اللّٰهمّ لا تؤمني مكرك و لا تولني غيرك و لا ترفع عني سترك و لا تنسي ذكرك و لا تجعلني من الغافلين.

جو شخص ان کلمات کو پڑھ کر سوتا ہے تو ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تین فرشتوں کو یکے بعد دیگرے بھیجتے ہیں، جو اسے نماز کے لیے بیدار کرتے ہیں۔ (۲) اہل تجربہ کے اس تجربہ سے ہر مرد مؤمن کو فائدہ اٹھانا چاہئے۔

حرفِ آخر

سونے اور جاگنے سے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور عملی احادیث کا آپ نے اوپر کی سطروں میں مطالعہ کیا، آخر میں بعض باتوں کا اختصار کے ساتھ تذکرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ عصر حاضر میں ان باتوں کی اہمیت بڑھ گئی ہے اور اسی بڑھی ہوئی اہمیت نے میرے ذہن کو اس طرف متوجہ کیا ہے۔

(۱) سب سے پہلی بات یہ کہ سونے اور جاگنے کے بارے میں مؤمن کی زندگی ایک نظام اور معمول کی پابند ہے۔ اگر یہ پابندی اختیار کر لی گئی تو زندگی کے مختلف امور و فرائض بھی ...

(۱) فوائد عثمانی (۲) اتحاف بشرح احیاء علوم الدین ۷/۲۴۵

دہی میں خوشگوار اثرات مرتب ہوں گے مثلاً یہ کہ نماز فجر سے پہلے جاگ جانا، اللہ اگر توفیق دے تو اس سے تھوڑی دیر قبل بیدار ہو کر نماز تہجد کا اہتمام کر لینا لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ عشاء کی نماز کے بعد لغویات و فضولیات (وسیع تر معنی و مفہوم میں) سے اپنے آپ کو بچا لیا جائے ،اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کے بعد قصہ گوئی سے منع فرمایا ہے کہ اس کی وجہ سے سونے میں تاخیر ہوگی، اب جب سونے میں تاخیر ہوگی تو نیند کے ماتے انسان کو نہ ہی تہجد کی توفیق مل سکتی ہے اور نہ ہی نماز فجر کے لئے بستر سے اٹھنے کی ہمت ہو سکتی ہے۔ اس سے ہٹ کر عام حالات کے لئے ہمارے حکیم اور دانا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی بیداری اور نماز فجر کی تیاری کے لئے ایک نسخہ تجویز فرمایا ہے جس کا ثبوت صحیح مسلم کی اس حدیث سے ملتا ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایک بندہ جب سوتا ہے تو شیطان اس کے سر کے پچھلے حصہ میں تین گرہیں لگاتا ہے اور ہر گرہ میں یہ پھونک مارتا ہے کہ ابھی سوؤ بہت رات ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب بندۂ مومن ہمت کر کے اٹھ جاتا ہے تو پہلی گرہ کھل جاتی ہے، وضو کر لیتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے اور جب نمازِ فجر ادا کر لیتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے، گویا خواب کا دروازہ، عزم و ہمت کی کلید سے کھلتا ہے، یہ کلید جس کے ہاتھ میں آگئی، اس کے لئے یہ دروازہ کھل کر رہے گا۔ ضرورت ہے کہ مسلم معاشرہ اور سوسائٹی میں نبی کریم ﷺ کی عطا کردہ یہ کلید حاصل کی جائے۔

(۲) روزانہ کی زندگی کا آغاز صبح کی بیداری سے ہوتا ہے، ہر روز کا یہ آغاز بہتر ہو تو توقع یہی رکھنی چاہئے کہ "روز" کی سرحد جب "شب" سے جا کر ملے گی تو اس کا انجام بھی انشاء اللہ بہتر ہو گا۔

(۳) خالق کائنات کی جانب سے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث فرمائے گئے، انکی تعلیمات ،انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہیں، بشری تقاضوں اور ضرورتوں کی تکمیل کا یہاں انتظام ہی نہیں بلکہ پورا اہتمام ہے، جس کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص صبح سویرے اٹھنے کا پابند ہے تو دن میں تھوڑی دیر کے لئے (خواہ ظہر سے پہلے ہو یا اس کے بعد) استراحت کے لئے گنجائش نکالی گئی ہے۔ یہی وہ استراحت ہے جس کو دینی اصطلاح میں "قیلولہ" کہتے ہیں۔ قیلولہ کی غرض و غایت مسلسل جاگے رہنے سے طبیعت کے بوجھ اور اس کی کسل مندی کو دور کرنا ہے، نہ یہ کہ طویل وقفہ کے لئے عالم خواب میں جا کر طبیعت کے بوجھ اور کسل مندی کو بڑھانا اور متعلقہ فرائض اور ذمہ داریوں کو ادا کرنے سے فرار اور گریز کی راہ اختیار کرنا ہے مختصر لفظوں میں قیلولہ

کے سلسلہ میں یہ جو وضاحت کی گئی ہے اس سے امید ہے کہ اس کی حقیقت تک پہنچنے میں آسانی ہوگی اور بغیر علم و مطالعہ کے عوامی سطح پر جو باتیں سامنے آتی ہیں، ان کا تدارک ہوگا۔

(۴) جب انسان سوتا ہے تو وہ مختلف قسم کے خواب بھی دیکھتا ہے، خواب اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی، یہ ایک مستقل موضوع ہے، جن پر سائنسی اور شرعی اعتبار سے گفتگو کی ضرورت ہے۔ چونکہ یہ مضمون طویل ہوگیا، اس لئے فی الوقت اس پر کوئی تفصیلی گفتگو نہیں کی جاسکتی، لیکن یہ موضوع اپنی جگہ، ہے بہت معنی خیز اور دلچسپ۔ بس یہاں اتنا سمجھ لیجئے کہ اچھے خواب کو نبی کریم ﷺ نے نبوت کا چالیسواں حصہ قرار دیا ہے اور برے خواب میں شیطانی وساوس، انسان کے اپنے خیالات، خوراک اور اس طرح کی دوسری چیزوں کے اثرات مرتب ہوتے ہیں، ہر خواب کے پیچھے انسان کو نہیں پڑنا چاہئے۔ قرآن نے بہت سارے خواب کو "أضغاثُ احلام" (یعنی پراگندہ خواب) سے تعبیر کیا ہے۔ خواب کی جب تک تعبیر بیان نہیں کی جاتی ہے اس وقت تک حدیث نبویؐ کے بموجب اڑتے ہوئے پرند کی طرح ہے کہ معلوم نہیں کس شاخ پر بیٹھے۔ تعبیر جب بیان کر دی جاتی ہے، خواہ واقع کے موافق ہو یا غیر موافق، اس وقت خواب اس تعبیر کا پابند ہو جاتا ہے؛ اسی لئے نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ خواب کی تعبیر "حبیب" سے دریافت کرو، یا "لبیب" سے معلوم کرو۔ حبیب کا مطلب یہ ہے کہ ایسا دوست جو مخلص، ہمدرد اور خیر خواہ ہو۔ اگر فنی اعتبار سے خواب کی تعبیر بتانے کے موقف میں نہ بھی ہو، جب بھی وہ اپنی زبان پر دوستانہ تعلقات کے پس منظر میں اچھی ہی بات لائے گا، اور لبیب کا مطلب یہ ہے کہ خواب کی تعبیر جس سے پوچھی جارہی ہو، وہ زیرک، عقلمند اور دانا ہو، وہ اپنی اس حیثیت کے لحاظ سے خواب کی تعبیر سوچ سمجھ کر بتائے گا اور ایسی بات زبان پر نہیں لائے گا جس سے خواب دیکھنے والا خواہ مخواہ کے لئے ایک کراہیت اور کدورت محسوس کرے۔ باقی رہی بات ڈراؤنے، بھیانک اور برے خواب کی تو اس سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو تعلیمات اور ہدایات ملتی ہیں، ان کا ذکر پہلے میں بیان ہو چکا ہے، ان پر عمل سے ذہنی انتشار دور ہوگا اور دماغی سکون میسر آئے گا۔

نکاح کے موانع اور محارم

خالد سیف اللہ رحمانی

☆ نکاح صحیح ہونے کے لیے ضروری ہے کہ عورت مرد پر حرام نہ ہو۔

حرمت دو قسم کی ہے: حرمت موقتہ (عارضی حرمت) حرمت مؤبدہ (دائمی حرمت) دائمی حرمت کے اسباب تین ہیں: نسب، صہری رشتہ اور رضاعت، اسکے علاوہ جو موانع نکاح ہیں وہ سب عارضی اور وقتی ہیں۔

نسبی محارم

☆ نسبی رشتہ داروں میں درج ذیل رشتہ دار مردوں اور عورتوں پر حرام ہونگے:

باپ اور دادا اور ان کا پورا پدری و مادری سلسلہ، ماں، نانی، دادی، اور ان کا پورا پدری و مادری سلسلہ، بیٹا، پوتا، بیٹی، پوتی اور ان کا پورا اولادی سلسلہ، چچا، پھوپھی، خالہ اور ماموں، بھائی بہن چاہے صرف ماں یا باپ شریک ہوں۔

نسبی رشتہ داری کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ باپ اور ماں کے بھائی بہن اور ان کے بھائی بہن کی اولاد کے علاوہ اصولی اور فروعی رشتہ داروں کا پورا سلسلہ حرام ہو جاتا ہے۔ اصولی رشتہ دار سے باپ، دادا، نانی، دادی کا پدری و مادری سلسلہ اور فروعی رشتہ دار سے بیٹا، پوتا، بیٹی، نواسی اور ان کا پورا اولادی سلسلہ مراد ہے۔(۱) چچا، پھوپھی، خالہ، ماموں اور بھائی میں وہ تمام لوگ شریک ہیں جو صرف باپ یا صرف ماں کی شرکت کیوجہ سے رشتہ دار قرار پاتے ہیں۔ مثلاً: چچا باپ کا ماں شریک یا باپ شریک بھائی ہو یا خالہ ماں کی باپ شریک یا صرف ماں شریک بہن ہو، بھائی، بہن، ماں باپ شریک یا صرف باپ شریک یا صرف ماں شریک ہو(۲)

صہری محارم

☆ ازدواجی رشتہ کی وجہ سے:

(الف) ناکح اور منکوحہ کے والدین اور ان کا پورا پدری و مادری سلسلہ ایک دوسرے پر حرام ہوگا۔

---

(۱) حرم علی المتزوج ذکرا کان او انثی نکاح (اصلہ و فرعہ) علا او نزل او بنت اخیہ و اختہ) و عمتہ و خالتہ الد: المختار ص ۱۹۲ فصل فی الحرمات)

(۲) اما الاخوات فالاخت لاب و الاخت لابہ و الاخت لامہ و کذا بنات الاخ و الاخت ان سفلت و اما العمات فثلاث الخ (عالمگیری ۲/ ٤ الباب الثالث فی بیان المحرمات)

(ب) ناکح اور منکوحہ کی اولاد اور پورا اولادی سلسلہ ایک دوسرے پر حرام ہوگا۔

(ج) باپ کی منکوحہ بیٹے پر حرام ہو جائے گی۔

(د) بیٹے کی منکوحہ باپ پر حرام ہوگی۔(۱)

البتہ منکوحہ کی ماں تو صرف نکاح ہی کی وجہ سے حرام ہو جائے گی چاہے ابھی اس سے دخول کی نوبت بھی نہ آئی ہو، لیکن منکوحہ کی بیٹی اسی وقت حرام ہوگی جب اس عورت سے دخول بھی کیا جا چکا ہو۔(۲)

☆ زنا یا شہوت کے ساتھ اجنبی عورت کی شرمگاہ کے داخلی حصہ کو دیکھنے یا اس کے جسم کے کسی حصہ کو بے لباس چھو لینے سے بھی حرمت مصاہرت پیدا ہو جاتی ہے۔

زنا سے مراد نکاح کے جائز رشتہ کے بغیر کسی عورت سے شرمگاہ میں جماع کرنا ہے چاہے یہ اس کی رضامندی ہی سے کیوں نہ ہو(۳) زنا کے علاوہ عورت کی شرمگاہ کے اندرونی حصہ کو دیکھنا جو کہ اکڑوں بیٹھنے کے وقت ہی ممکن ہے یا کپڑے کے بغیر اجنبی عورت کے جسم کے کسی حصہ کو شہوت کے ساتھ چھو لینے کی وجہ سے بھی حرمت پیدا ہو جاتی ہے۔(۴)

شہوت کے سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ چھونے یا شرمگاہ دیکھنے سے پہلے شہوت نہیں تھی اور پیدا ہو گئی یا پہلے سے شہوت اور عضو تناسل میں انتشار کی کیفیت تھی اور اس کی وجہ سے اضافہ ہو گیا۔(۵) ایسا سن رسیدہ شخص جس میں جسمانی طور پر شہوت کی صلاحیت ختم ہو گئی ہے، قلبی ہیجان کا پیدا ہونا اور اس میں اضافہ کا پایا جانا متصور ہوگا(۶) پس چھونے یا شرمگاہ کے دیکھنے کے بعد شہوت پیدا ہو جائے یا اس میں اضافہ ہو جائے تب ہی حرمت ثابت ہوگی، البتہ اگر دیکھنے یا چھو لینے کی وجہ سے اسے انزال ہو جائے یا وہ اجنبی عورت سے لواطت کر

---

(۱) وحرم بالمصاهرة بنت زوجة الموطوءة و امّ زوجته وجداتها مطلقا بمجرد العقد الصحيح و ان لم توطأ و زوجة اصله وفرعه مطلقا) ولو بعيدا دخل بها او لا (الدر المختار على هامش الرد ۲/۳۸۳)

(۲) ولا بام امرأته ان دخل بابنتها اولم يدخل ولا بنة امرأته التى دخل بها (الهداية ۲/۳۰۷-۳۰۸)

(۳) هو قضاء الرجل شهوته محرما فى قبل المرأة الخالى عن الملكين و شبهتهما و شبه الاشتباه او تمكين المرأة لمثل هذا الفعل . (فتاوى عالمگيرى ۲ / ۲۲۵ كتاب الحدود)

(٤) من مسته امرأة بشهوة حرمت عليه امها و ابنتها و مسه امرأة بشهوة و نظره الى فرجها و نظرها الى ذكره . (هداية ۲ / ۳۰۹)

(٥) وحدها فيهما تحرك آلته او زيادته و به يفتى (درمختار مع الرد ۳/۳٦ ط : دار الفكر بيروت

(٦) اما الشيخ و العنين فحدّهما تحرك قلبه اور زيادته ان كان متحركا لا مجرد ميلان النفس (ردالمحتار ۳/۳٦ ط : دار الفكر بيروت)

لے اور انزال ہو جائے تو اب حرمت مصاہرت پیدا نہ ہو سکے گی (۱) مگر شافعیؒ فقہ میں زنا اجنبی عورت کے چھونے یا شرمگاہ کے دیکھنے کی وجہ سے حرمت مصاہرت پیدا نہیں ہوتی ہے۔(۲)

حرمت رضاعت

☆ رضاعت کی وجہ سے بھی وہ تمام اقرباء حرام ہو جاتے ہیں جو نسبی رشتہ کی بناء پر حرام ہوتے ہیں(۳)

رضاعت کے معنی دودھ پلانے کے ہیں۔ دودھ پلانے والی عورت شیر خوار لڑکے یا لڑکی کی رضاعی ماں اور اس کا شوہر رضاعی باپ اور اس کے بچے شیر خوار کے رضاعی بھائی، بہن، اس کی بہن رضاعی خالہ، بھائی رضاعی ماموں اور رضاعی باپ کا بھائی چچا کہلاتا ہے۔ اسی ترتیب کے مطابق دوسرے رشتہ دار بھی ہوتے ہیں۔ نسبی رشتہ کی طرح رضاعت کی وجہ بھی درج ذیل اقرباء حرام ہو جاتے ہیں۔

شیر خوار پر رضاعی ماں، رضاعی باپ، رضاعی بھائی بہن، رضاعی ماموں، چچا، خالہ، پھوپھی،

دودھ پلانے والی اور اس کے شوہر پر شیر خوار، اس کی اولاد، اس کی بیوی و شوہر۔

☆ رشتۂ رضاعت کے لیے ضروری ہے کہ شیر خوار بچے نے دو سال کی عمر کے اندر اس عورت کا کچھ بھی دودھ پیا ہو۔

رضاعت کا رشتہ ثابت ہونے کے لیے ضروری ہے کہ شیر خوار نے دو سال کے اندر دودھ پیا ہو، اس کے بعد اگر دودھ پی لے تو اس سے رشتۂ رضاعت ثابت نہ ہو گا(۴) اس مدت میں ایک قطرہ دودھ بھی حرمت پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔(۵) لیکن مالکی، شافعی اور حنبلی فقہ میں کم سے کم پانچ قطرہ یا پانچ گھونٹ کی تعداد سے حرمت پیدا ہو گی، اس کے بغیر رشتۂ رضاعت قائم نہ ہو سکے گا۔(۶) دودھ سے حرمت کے لیے ضروری ہے کہ وہ خالص ہو، اگر وہ کھانے میں پکا یا ہوا ہو تو اس سے حرمت پیدا نہ ہو گی، پانی یا دوا وغیرہ کے ساتھ ہو اور پانی اور دوا مقدار میں زیادہ ہو تو بھی حرمت پیدا نہ ہو گی (۷) یہ بھی ضروری ہے کہ دودھ فطری

---

(۱) ولو مس فانزل فالصحیح أنه یوجب الحرمة و کذا اتیان المرأة فی الدبر (هدایه ۲/ ۳۰۹)

(۲) و الشافعی یقول الزنا لایوجب حرمة المصاهرة . (هدایه ۲/ ۳۰۹)

(۳) کل من تحرم بالقرابة و الصهریة تحرم بالرضاع . (عالمگیری ۲/ ۶ القسم الثالث)

(۴) و قالا مقدر بحولین . (عالمگیری ۲ / ۴۹ کتاب الرضاع)

(۵) قلیل الرضاع و کثیره سواء إذا حصل فی مدة الرضاع یتعلق به التحریم (هدایه ۲/ ۳۵۰ کتاب الرضاع)

(۶) و الشافعی لایثبت التحریم الا بخمس رضعات . (هدایه ۲/ ۳۵۰ کتاب الرضاع)

(۷) وان اختلط بالطعام لم یتعلق به التحریم وان کان اللبن عند ابی حنیفة (هدایه ۲/ ۳۵۲ کتاب الرضاع)

طریقہ پر منھ کے راستہ سے پلایا گیا ہو، دودھ کا حقنہ دیا جائے یا کان وغیرہ کے زخم میں ڈال دیا جائے تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔(۱)

حرمت رضاعت کا ثبوت

☆ رشتۂ رضاعت کے ثبوت کے لیے دو مسلمان مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہوگی۔

اگر کوئی شخص دو مرد و عورت کے درمیان رضائی رشتہ کا دعوی کرے تو محض اسکا دعوی اس امر کے ثابت کرنے کے لیے کافی نہ ہوگا بلکہ کم از کم دو مسلمان معتبر مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی ضروری ہوگی جو شہادت دیں کہ فلاں شخص کو فلاں عورت کا دودھ پیتے ہوئے میں نے دیکھا ہے(۲) شافعی فقہ میں چار عورتوں کی، مالکی فقہ میں صرف ایک عورت کی اور حنبلی فقہ میں خود دودھ پلانے والی کی تنہا گواہی حرمت رضاعت ثابت کرنے کے لیے کافی ہے(۳)

دو محارم کا اجتماع

☆ دو ایسی عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں جن میں سے ہر ایک دوسرے کے لیے محرم ہوں۔

فقہاء نے اس کے لیے اصول بتایا ہے کہ دو ایسی عورتیں کہ اگر ان میں سے کسی کو بھی مرد فرض کیا جائے تو وہ باہم ایک دوسرے کے لیے حرام ہو جائیں کو ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ مثلاً دو بہن، پھوپی، بھتیجی، خالہ، بھانجی مگر یہ حرمت عارضی ہے۔ اگر ان میں سے ایک کا انتقال ہو جائے یا شوہر ان کو طلاق دیدے اور عدت بھی گذر جائے اب دوسری کو نکاح میں لانا درست ہے۔ ایک کی عدت پوری نہ ہوئی ہو تو بھی دوسری کو نکاح میں لانا درست نہیں۔(۴) اگر کوئی شخص ایک ہی ساتھ ایسی دو عورتوں سے نکاح کرے تو دونوں ہی نکاح باطل ہوگا۔ اگر ایک سے پہلے اور دوسرے سے بعد میں کرے تو پہلا نکاح صحیح ہوگا اور بعد میں ہونے والا نکاح باطل (۵) اور اگر ایک سے پہلے اور دوسرے سے بعد میں نکاح کرے لیکن پتہ نہ چلے کہ کس سے پہلے اور کس سے بعد کو نکاح ہوا ہے تو اس صورت میں بھی احتیاطاً دونوں نکاح باطل ہوگا اور نصف مہر دونوں میں برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔(۶)

---

(۱) و إذا احتقن الصبی باللبن لم يتعلق به التحريم . (هدايه ۲ / ۳۵۳)
(۲) ولايقبل فی الرضاع الا شهادة رجلين أو رجل و امرأتين عدول . (عالمگيری ۲ /۴)
(۳) و قوم قالوا لاتقبل فيه الا شهادة اربع و به قال الشافعی . (بداية المجتهد ۲ / ۳۹)
(۴) و لايجمع بين امرأتين لو كانت احديهما رجلا لم يجزله أن يتزوج بالاخری (هدايه ۲/ ۳۰۹)
(۵) و ان تزوجهما فی عقدتين فنكاح الأخيرة فاسد (الفتاوى الهندية ۱/ ۲۷۷)
(۶) فان تزوج اختين فی عقدتين ولا يدری ايهما اولی فرق بينه و بينهما (هدايه ۲/ ۳۰۸ بيان المحرمات)

تعدد ازدواج

☆ مرد کے لیے چار بیویوں کی موجودگی میں پانچواں نکاح باطل ہوگا۔

اسلام نے سماج کو پاکیزہ اور گناہ سے محفوظ رکھنے کے لیے عدل وانصاف کی شرط کیساتھ چار تک نکاح کی اجازت دی ہے اور اسپر تمام فقہاء کا اتفاق ہے(۱) کسی مرد کا چار بیویوں کی موجودگی میں پانچویں عورت سے نکاح باطل ہوگا(۲) حنفی فقہ میں بعض مسائل میں معتدہ بھی منکوحہ کے حکم میں ہے اس لیے اگر چار میں سے کوئی ابھی عدت کی حالت میں ہو اور وہ کسی اور عورت سے نکاح کرلے تو یہ چار بیویوں کی موجودگی میں پانچواں نکاح متصور ہوگا اور فاسد ہوگا۔(۳)

غیر مسلم سے نکاح

☆ مسلمان عورت کا کسی غیر مسلم مرد سے اور مسلمان مرد کا یہودی اور عیسائی عورت کے علاوہ کسی غیر مسلمہ سے نکاح باطل ہے۔

توضیح اسلام سے عیسائی یا یہودی مذہب کی طرف ارتداد کرنے والی عورت سے مسلمان مرد کا نکاح جائز نہیں، فقہاء اسلام کا اس پر اتفاق ہے۔(۴) یہودیہ اور عیسائیہ عورت سے وہ عورت مراد ہے جو حضرت موسیٰ اور حضرت مسیح کے نبی برحق ہونے پر، وحی، الہام اور قیامت پر ایمان رکھتی ہو۔ اگر زوجین یہودی اور عیسائی تھے اور نکاح کے بعد ایک نے اسلام قبول کرلیا تو ان پر بھی یہی اصول نافذ ہوگا، اگر مرد مسلمان ہوا تو نکاح باقی رہے گا اور عورت نے اسلام قبول کیا تو نکاح فسخ کردیا جائے گا، لیکن کوئی عورت اگر پہلے سے مسلمان تھی اور بعد کو یہودی یا عیسائی ہوگئی تو اب اس سے کسی مسلمان مرد کے لیے نکاح جائز نہ ہوگا۔ نکاح کے بعد اگر زوجین میں سے کوئی مرتد ہوجائے تو نکاح فسخ کردیا جائے گا۔

مطلقہ مغلظہ

☆ جس عورت کو طلاقِ مغلظہ دی جاچکی ہو، سابق شوہر کے لیے تاتکمیل حلالہ اس سے نکاح جائز نہ ہوگا۔

طلاقِ مغلظہ سے مراد تین طلاقیں ہیں اور حلالہ سے مراد یہ ہے کہ شوہر سابق کے طلاق دینے کے بعد

---

(۱) اتفق المسلمون علی جواز نکاح اربعة من النساء معا . (بداية المجتهد ۲ / ۴۰)

(۲) و لیس له ان یتزوج اکثر من ذلك . (بداية ۲ / ۳۱۱ فی بیان المحرمات)

(۳) فیخرج علی هٰذاحکم الرجعة و اربع سواها (اصول الشاشی ص۱۷ مطبوعه دارالکتاب العربی بیروت)

(۴) و حرمة نکاح الوثنية بالاجماع و صح نکاح کتابية و ان کره تنزیها مؤمنة بنبی مرسل مقرة بکتاب منزل (الدر علی هامش الرد ۲/۳۹۸)

وہ عدت گذارے پھر کسی دوسرے مرد سے اسکا نکاح ہو اور وہ شوہر ثانی نکاح کے بعد اس سے جماع بھی کرے پھر اسے طلاق دیدے یا شوہر ثانی کا انتقال ہو جائے، عورت شوہر ثانی کی عدت طلاق یا عدت وفات گذارلے تو شوہر اول سے اس کا نکاح حلال ہو جائے گا(۱)

منکوحہ و معتدہ

☆ غیر منکوحہ یا معتدہ سے نکاح باطل ہو گا۔(۲)

اسلام میں متعدد شوہروں کا کوئی تصور نہیں ہے، اس لیے منکوحۂ غیر سے نکاح باطل ہو گا، نیز نسب کی حفاظت کی غرض سے اسلام نے دو شوہروں کے درمیان ایک خصوصی مدت کا فصل بھی رکھا ہے جس کو "عدت" کہتے ہیں، اس مدت میں بھی نکاح باطل ہو گا۔

☆ البتہ زانیہ سے دورانِ حمل بھی نکاح کرنا درست ہو گا۔

زانیہ عورت پر عدت واجب نہیں ہے، زنا کے بعد وہ حاملہ ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو ہر حال میں اس سے نکاح کرنا درست ہے، البتہ اگر حاملہ نہیں ہے تو نکاح کے فوری بعد اس سے جماع بھی درست ہے اور اگر حمل ظاہر ہو چکا ہو تو نکاح کے بعد وضع حمل تک جماع کرنا درست نہ ہو گا(۳) ہاں اگر وہی زانی جس سے وہ حاملہ ہوئی ہے، نکاح کرلے تو ولادت سے پہلے بھی اس سے جماع کر سکتا ہے۔

لعان کے بعد نکاح

☆ لعان کے بعد تا اقرارِ زوجہ بابت زنا یا تا رجوع زوج از بہتان اس مرد کے لیے اس عورت سے نکاح درست نہ ہو گا۔

یعنی لعان کے بعد اس مرد و عورت کا باہم نکاح کرنا جائز نہ ہو گا۔ اگر عورت خود اپنے زانیہ ہونے کا اقرار کرلے یا مرد ہی اعتراف کرلے کہ اس نے عورت پر زنا کا غلط الزام لگایا تھا تو اب دونوں نئے نکاح کے ساتھ ایک دوسرے سے ازدواجی رشتہ قائم کر سکتے ہیں(۴) شافعی، مالکی اور حنبلی فقہ میں ایسے دو مرد و عورت کا باہم کبھی بھی نکاح جائز نہ ہو گا، چاہے عورت زنا کا اقرار کرلے یا مرد اپنے الزام سے رجوع کرلے۔

---

(۱) لایحل للرجل أن یتزوج حرة طلقها ثلاثا قبل اصابة الزوج الثانی (عالمگیری ۲/۹ القسم التاسع المحرمات بالطلقات)

(۲) لایجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره و کذلك المعتدة. (عالمگیری ۲ / ۷ القسم السادس فی المحرمات)

(۳) و یجوز أن یتزوج امرأة حاملا عن الزنا و لایطأها حتی تضع. (عالمگیری ۲ / ۷)

(٤) وان کذب نفسه حدّوله أن ینکحها و کذا ان قذف غیرها فحدا وصدقته اوزنت (الدر المختار ۲/۲۹۶)

نکاحِ متعہ

☆ نکاحِ متعہ باطل اور حرام ہے۔

توضیح اگر کوئی شخص نکاح کرتے وقت اتنی مدت مقرر کرے کہ عادتاً زوجین کا اس عمر تک زندہ رہنا ممکن نہ ہو تو یہ نکاح صحیح ہوگا۔

نکاحِ متعہ جو دو بالغ مرد و عورت میں ایک دوسرے کے ساتھ ایک محدود مدت کے ازدواجی رشتہ کا معاہدہ ہے اور مدت ختم ہونے کے ساتھ ہی از خود ختم ہو جاتا ہے" اہل سنت والجماعت کے نزدیک بالاتفاق باطل اور بے اثر ہے۔(۱) اگر نکاح کے وقت گواہ بھی بن جائے تو اس نکاح کو اصطلاح میں "نکاحِ موقتہ" کہا جاتا ہے، یہ صورت بھی متعہ ہی متصور ہوگی اور نکاح باطل ہوگا(۲) اتنی طویل مدت کے لیے نکاح کا معاہدہ ہونا جب تک زندہ رہنا عادۃً ممکن نہ ہو، چوں کہ عملاً عارضی نکاح نہیں رہا اس لیے صحیح ہو جائے گا۔(۳)

(۱) نكاح المتعة باطل لايفيد الحل ولايقع عليهاطلاق ولاايلاء وظهار ولايرث أحدحق صاحبه (عالمگیری ۲/۹)

(۲) و النكاح الموقت باطل مثل أن يتزوج امرأة بشهادة شاهدين عشرة ايام (هداية ۲/۲۹۳)

(۳) ان الزوجين إذا وقتا مدة لايعيش مثلها إليها صح النكاح لانه فى معنى المؤبدة . (فتح القدير على الهدايه ، باب المحرمات ۲ / ۲۹۳)

مسلم معاشرہ اور مسئلہ طلاق

محمد رضوان القاسمی

موجودہ مسلم معاشرہ پر جب ہم ایک نظر ڈالتے ہیں تو بہت ساری بے اعتدالیاں، ناہمواریاں اور فکر و عمل کی کوتاہیاں سامنے آتی ہیں، اور خیال آتا ہے کہ ایک صاحب کتاب اور صاحبِ شریعت قوم کے افراد اپنی کتاب اور اپنی شریعت سے کس قدر دور جا پڑے ہیں، رسم و رواج کی بوجھل زنجیر ان کے قدموں میں ڈھلی ہوئی ہے، اور ہوا و ہوس نے انھیں اپنے مضبوط گھیرے میں لے رکھا ہے، جس کا نتیجہ وہ انتشار و بحران ہے جس کا نظارہ ہم اپنے معاشرہ میں ہر طرف دیکھتے ہیں۔

مسلم معاشرہ میں جو مسائل انتشار و بحران کا سبب بنے ہوئے ہیں، ان میں ایک اہم مسئلہ "طلاق" کا بھی ہے، یہ مسئلہ حد درجہ قابل توجہ اور اصلاح طلب ہے، عام طور پر لوگ اس کی نوعیت، استعمال کی صورت اور اس سلسلہ میں جو شرعی نزاکت اور دینی حکمت و مصلحت ہے، اس سے ناواقف اور بے خبر ہیں، اس ناواقفیت اور بے خبری نے مسلمانوں کے لئے بعض سنگین سماجی مسائل پیدا کر دئے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی عائلی زندگی درہم برہم ہو کر رہ گئی ہے، دل کا کیف اور دماغ کا سرور چھن گیا ہے، طلاق کے سبب عام حالات میں مرد اور عورت کے درمیان نفرت و کدورت کی دیوار تو حائل ہو ہی جاتی ہے، ان دونوں سے وابستہ دو خاندان کے درمیان بھی رسہ کشی کی نوبت آجاتی ہے، بچوں کی تعلیم و تربیت، ان کے ذہنی نشو و نما اور طبائع و نفسیات پر بھی برا اثر پڑتا ہے، اگر بات مقدمہ بازی تک پہنچتی ہے تو دولت، وقت اور توانائی یہ سب بے دریغ ضائع ہوتے ہیں، ذہنی الجھن، دماغی پریشانی، نفسیاتی کشمکش اور اعصابی تناؤ بسا اوقات اتنا بڑھ جاتا ہے کہ آدمی بے خوابی کا شکار ہو جاتا ہے، اور بتدریج سنجیدہ اور ذمہ داری کے کام کو انجام دینے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی عمومی تعلقات اور عام میل جول میں بدمزگی اور بے کیفی محسوس کرنے لگتا ہے، مزاج میں چڑچڑاپن پیدا ہو جاتا ہے، بات بات میں غصہ اور طیش آجاتا ہے، جسمانی صحت بھی تیزی کے ساتھ روبہ زوال ہونے لگتی ہے، معاشی نظام بھی ابتر ہو جاتا ہے، معمولاتِ زندگی میں بھی بڑا فرق آجاتا ہے، گویا اس "ایک" (طلاق) کا اثر "ایکس" چیزوں

پر پڑتا ہے، مگر اس حقیقت کا ادراک وہی لوگ کر سکتے ہیں، جنھیں بارگاہِ خداوندی سے آنکھ کے نور کے ساتھ دل کا نور بھی ملا ہو، اسی لئے کہا گیا ہے کہ:

آنکھ کا نور دل کا نور نہیں　　　دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب

طلاق خاندانی زندگی کو تہس نہس کرنے میں کتنا اثر رکھتا ہے، اور اس کے کس قدر دور رس اثرات، انفرادی اور اجتماعی زندگی پر مرتب ہوتے ہیں، اس کا اندازہ صحیح مسلم کی اس حدیث سے کیا جا سکتا ہے، جس میں ذکر ہے کہ شیطان (جو انسان کا ازلی اور سند یافتہ دشمن ہے) کو سب سے زیادہ خوشی میاں بیوی کے درمیان جدائی سے ہوتی ہے، اپنے جس کارندے سے وہ یہ کام لیتا ہے، اس کی رپورٹ کے بعد مسرت سے سرشار ہو کر گلے لگاتا ہے، اور اپنے تخت پر قریب بیٹھاتا ہے، گویا شیطان کی جانب سے یہ "اعتراف حسن خدمت" ہے، اور اس کی جانب سے عطا کردہ "اعزاز" کا یہ خاص "انداز" ہے۔

زیرِ نظر مضمون میں کوشش کی جائے گی کہ ایک ترتیب کے ساتھ مسئلہ طلاق کی نوعیت اور حقیقت کو اجاگر کیا جائے، اور اس سلسلہ میں جو شرعی نقطہ نظر ہے، اس کو صحیح خدوخال کیساتھ سامنے لایا جائے، اس موضوع سے متعلق جزئیات اور تفصیلات بہت زیادہ ہیں، ظاہر ہے کسی اخبار یا رسالہ کے محدود صفحات اور مختص کالم میں شرح وبسط کے ساتھ ان جزئیات و تفصیلات کو بیان کرنے کی گنجائش کہاں؟ اس لئے اختصار کے ساتھ ہی چند نکات میں مفہوم و مدعا بیان کرنے کی سعی رہے گی۔

(۱) چند اخلاقی اور سماجی فوائد کے حصول کے لئے نکاح کے ذریعہ مرد اور عورت کے درمیان جو رشتہ وجود میں آتا ہے، وہ نہایت مقدس اور پاکیزہ ہے، اسلامی شریعت چاہتی ہے کہ یہ رشتہ مضبوط اور مستحکم رہے، اور ان دونوں کے درمیان ہمیشہ محبت والفت کی فضاء قائم رہے، اس لئے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے سے پہلے مختلف باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے باوقار طریقہ پر چھان بین کر لی جائے، اور خوب اچھی طرح اس کا اندازہ قائم کر لیا جائے کہ ان دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ نباہ ہو سکے گا یا نہیں؟ اس فیصلہ کے بعد ہی نکاح کا اقدام کرنا چاہئے۔

نکاح کے بندھن میں بندھنے کے بعد میاں بیوی کو چاہئے کہ ایک دوسرے کے جذبات اور نفسیات کی رعایت رکھیں، زندگی کی گاڑی کو باہمی اعتماد کے ساتھ کھینچیں، رشتہ کی اس دیوار میں کہیں سے کوئی شگاف نہ آنے دیں، ناگواری کی کوئی شکل سامنے آجائے تو اسے خوشگواری

میں تبدیل کرنے کی کوشش کریں، دل کو بڑا کر کے عفو و درگذر سے کام لیں، اس موقع پر ایک دوسرے کے عیوب اور کمزوریوں پر نظر رکھنے کی بجائے محاسن اور خوبیوں پر نگاہ ڈالیں، اور یہ سوچیں کہ ایجاب وقبول کے ذریعہ ہم دونوں نے ایک دوسرے کیساتھ زندگی بھر ساتھ رہنے کا عہد و پیمان کیا ہے، اس کا توڑنا ہمارے اور ہمارے خاندان کے لئے رسوائی اور انگشت نمائی کا باعث ہوگا، اور مختلف قسم کی الجھنیں اور پیچیدگیاں سر اٹھائیں گی۔ سچ ہے رشتہ توڑنا تو آسان ہے، مگر اس کو باقی اور برقرار رکھنا بڑے حوصلے اور ہمت کی بات ہے، اس میں انسان کے کمال اور اس کی شرافت کا راز پوشیدہ ہے، اس کے لئے ''اکڑ'' کی بجائے ''جھکنے'' کی خو چاہئے۔ بلاشبہ جس کے اندر یہ ''خو'' ہے، وہ ایک بڑی کرامت کا حامل ہے، یہ کرامت دو دلوں کے درمیان فاصلے نہیں آنے دیتی، بلکہ ان کو آباد رکھتی ہے، اور اجڑنے سے بچاتی ہے۔ ؎

دل کا اجڑنا سہل سہی ہے، بسنا سہل نہیں ظالم
بستی بسنا کھیل نہیں ہے، بستے بستے بستی ہے

اوپر کی سطروں میں جو کچھ عرض کیا گیا، اس کی تائید و توثیق قرآن وحدیث سے حاصل کی جاسکتی ہے۔ سورۂ بقرہ (آیت ۱۸۷) میں ہے: ''وہ تمہارے لئے لباس ہیں، اور تم ان کے لئے لباس ہو۔'' (قرب واتصال کے لحاظ سے یا ایک دوسرے کے پردہ دار اور موجب تسکین ہونے کے لحاظ سے) اسی سورہ میں دوسری جگہ ہے: ''اور عورتوں کا (بھی) حق ہے، جیسا کہ عورتوں پر حق ہے، موافق دستور (شرعی) کے'' (آیت ۲۲۸)

یہ قرآنی بلاغت کا ایجاز ہے کہ اتنا بڑا مضمون اتنے مختصر فقرے میں آگیا، غور کیا جائے تو میاں بیوی کے باہمی حقوق کا پورا دفتر اس میں سمٹ کر آگیا ہے۔ تحقیقی مطالعہ بتاتا ہے کہ حقوقِ زوجین کے سلسلہ میں ایسی جامع اور بلیغ تعلیم اسلام کے علاوہ کہیں اور نہیں ملتی، یہ تو اسلام کے نام لیواؤں کا کام ہے کہ اس کی حقیقت، معنویت اور اہمیت کو سمجھیں، اور ''حقوق و فرائض'' کی ادائیگی کا جو پیغام مل رہا ہے، اس پر بھرپور توجہ دیں، اس سے ازدواجی زندگی بنی اور سنوری رہے گی، اور جدائی کی نوبت نہیں آئیگی۔

قرآنِ حکیم میں ایک جگہ نیک بیویوں کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں کہ وہ شوہروں کی فرماں بردار ہوتی ہیں۔ جب پانچوں وقت کی نماز پڑھے، ماہِ رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرم و آبرو کی حفاظت کرے، اور شوہر کی فرمانبردار رہے تو پھر (اسے حق ہے کہ) جنت کے جس

دروازے سے چاہے اس میں سے داخل ہو" (حلیہ ابونعیم) اس کے بالمقابل آپ نے فرمایا ہے کہ "لوگو! بیویوں کے ساتھ بہتر سلوک کے بارے میں میری وصیت مانو" (بخاری) یعنی میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کی ان بندیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، نرمی اور مدارات کا برتاؤ رکھو۔ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ مسلمانوں میں اس آدمی کا ایمان زیادہ کامل ہے جسکا اخلاقی برتاؤ (سب کیساتھ) بہت اچھا ہو (اور خاص کر) بیوی کیساتھ اسکا رویہ لطف ومحبت کا ہو" (ترمذی)

(۲) اگر شوہر کو اپنی بیوی کی عادات واطوار میں کوئی بات مرضی کے خلاف اور ناپسندیدہ معلوم ہو اور اچھی نہ لگے تو اس کی وجہ سے اس سے نفرت اور بے تعلقی کا رویہ اختیار نہ کرے، اور نہ طلاق کے بارے میں سوچے، بلکہ اس میں جو خوبیاں ہوں، ان پر نگاہ کرے اور ان کی قدر وقیمت سمجھے، یہ مومن شوہر کی صفت ایمان کا تقاضا اور مومنہ بیوی کے ایمان کا حق ہے۔ قرآن مجید میں ہے: "اور بیویوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے گذر بسر کیا کرو، اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو عجب کیا کہ تم ایک شئ کو ناپسند کرو، اور اللہ اسکے اندر کوئی بڑی بھلائی رکھ دے" (النساء آیت ۱۹) تفسیر ماجدی میں ہے: "شکایت کرنے والے شوہروں کو اپنی تسکین وتسلی کے لئے اس مراقبہ سے بڑھ کر کون خیال ہو سکتا ہے کہ بیوی کے ساتھ نباہ کرتے رہنے میں اللہ کے علم میں "خیر" ہے، اس "خیر" (بھلائی) کے اندر دنیوی واخروی، عاجل (جلد حاصل ہونے والی) وآجل (دیر میں ملنے والے) ہر قسم کی فلاح اور بھلائی آگئی، محض خیر ہی نہیں "خیر کثیر" (بھلائیوں کا ایک ڈھیر، ایک انبار) کہ اس سے زیادہ تسکین دہ اور کون خیال ہو سکتا ہے؟" (ص ۱۸۵، تاج کمپنی لاہور) یہ ہدایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث میں بھی ملتی ہے کہ "کوئی ایمان والا شوہر اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہیں کرتا (یا یہ کہ اس کو نفرت نہیں کرنی چاہئے) اگر اس کی کوئی عادت ناپسندیدہ بھی ہوگی تو دوسری کوئی عادت پسندیدہ ہوگی (صحیح مسلم) یعنی پسندیدہ خصلتوں کو نگاہ میں رکھنے سے ناپسندیدہ عادتوں سے (افہام وتفہیم اور اصلاح کا سلسلہ باقی رکھتے ہوئے) صرف نظر کیا جا سکتا ہے۔ یہ حکیمانہ ہدایت آپسی تعلقات کو بنائے رکھنے میں جس قدر مؤثر ہے، اسکا اندازہ ہر صاحب فہم وبصیرت کر سکتا ہے۔

(۳) اسلام نے مرد کو مذکورہ بنیادی ہدایت دینے کے ساتھ عورت سے بھی کہا کہ معمولی معمولی بات پر طلاق کا مطالبہ اور اس پر اصرار لے کر نہ بیٹھ جائے، اگر وہ دیکھے کہ شوہر اس سے بے رخی برت رہا ہے تو اپنے حقوق کے مطالبہ اور اس پر اصرار کی جگہ حقوق کو چھوڑ دینے کے

لئے بھی تیار رہے، شوہر سے صف آرائی کی جگہ صلح صفائی کی امکانی کوشش کرے۔ (دیکھئے سورہ نساء آیت ۱۲۸) فقہاء نے لکھا ہے کہ بیوی کے حق شوہر پر دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک ثابت و مستقل مثلاً رقم مہر، دوسرے وہ جو وقتاً فوقتاً پیدا ہوتے رہتے ہیں، مثلاً نفقہ یا ہمبستری۔ صلح کے لئے دستبر داری دونوں قسم کے حقوق سے کرسکتی ہے، البتہ یہ فرق ہے کہ قسم اول کے حقوق میں نقض صلح کا اختیار نہ رہے گا، یعنی جو چھوڑا وہ ساقط ہو گیا، لیکن دوسرے قسم کے حقوق میں بیوی کو یہ اختیار باقی رہے گا کہ وہ جب چاہے، کسی چھوڑے ہوئے حق کا مطالبہ از سر نو کر دے۔ اس موقع پر قرآن نے "وَالصُّلْحُ خَيْرٌ" (اور صلح بہرحال بہتر ہے) کے ذریعہ اس طرف توجہ دلائی ہے کہ دونوں کے درمیان تفریق ہونے سے اس طرح کا صلح ہو جانا بہتر ہے۔

(۴) اگر بیوی بغاوت، نافرمانی اور سرکشی پر آمادہ ہو جائے تو اس شکل میں شوہر کو تعلیم ہے کہ فوراً غصہ میں آکر کوئی سخت معاملہ نہ کرے، اور طلاق دیکر علیحدہ نہ کرے، بلکہ نرمی و آشتی سے سمجھائے، اگر عورت شریف طبیعت ہے تو کافی ہو جائے گا، بصورت دیگر اصلاح حال کے لئے عورت کے مزاج، طبیعت، ماحول اور علاقہ کی رعایت کرتے ہوئے چند "تادیبی کاروائیوں" کی ہدایت دی گئی ہے۔ سورہ نساء کی جس آیت (۳۴) میں یہ مضمون درج ہے اس کے مطالعہ سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان پیش آمدہ مسئلہ کو ممکنہ حد تک یہ دونوں بطور خود حل کرلیں، اور گھر کی بات گھر ہی میں رہے، باہر نہ جانے پائے۔

(۵) اگر دونوں کے اندر دوری زیادہ ہوگئی ہے اور بطور خود اپنے اس مسئلہ کو حل نہیں کرسکتے تو یہ موقع بھی ایسا نہیں ہے کہ رشتہ ازدواج جیسے اہم ترین رشتہ پر بے پروائی سے فوری طور پر ضرب لگادی جائے بلکہ دونوں طرف کے سمجھ دار آدمی آگے آئیں اور مصالحت و مفاہمت کی کوشش کریں۔ اس سلسلہ میں قرآن کی جو آیت (النساء ۳۵) ہے، اس سے واضح ہے کہ اگر اخلاص و دیانت کے ساتھ نیت مصالحت و مفاہمت کی ہوگی تو اللہ تعالیٰ نیت میں برکت ضرور دے گا، اور قلب کی صفائی کی کوئی صورت نکال دے گا۔

(۶) ان ساری کوششوں میں ناکامی کے بعد طلاق کا موقع آتا ہے۔ گویا اسلامی شریعت میں بالکل نازک حالات اور انتہائی درجہ کی مجبوری اور شدید ضرورتوں کے وقت ہی آخری چارہ کار کے طور پر (صورت حال کا حقیقت پسندانہ مطالعہ کرنے کے لئے) طلاق کا استعمال جائز قرار دیا گیا ہے۔ اسی لئے حدیث میں اسے "ابغض المباحات" اور "ابغض الحلال الی اللہ" (اللہ کے

نزدیک مباح اور حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ) فرمایا گیا ہے، تاہم ناموافقت کی آخری صورت میں ان دونوں کے بلکہ پورے خاندان کے حق میں بہتر ہے، اس موقع پر مستقبل کے اندیشہ ہائے دور دراز کا خیال بے سود ہے۔ اللہ کسی کے کام کو کسی سے اٹکائے نہیں رکھتا، وہ بغیر کسی بندہ کی شرکت اور مدد کے ہر ایک کا کام چلادینے کے لئے کافی ہے قرآنی آیت "لاتدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا" (شاید کہ اللہ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کردے" (الطلاق آیت ۱) اور " و ان یتفرقا یغن اللہ کلامن سعتہ " (اور اگر دونوں جدا ہی ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنے (فضل کی) وسعت سے بے نیاز کردے گا۔" (النساء آیت ۱۳۰) میں اسی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

(۷) جیسا کہ معلوم ہوا کہ شریعت کی نظر میں طلاق ہی ناپسندیدہ عمل ہے، مگر ایک مجلس میں تین طلاق تو نہایت مجرمانہ فعل ہے، اس سے بچنا چاہئے، غصہ کے وقت جذبات کو قابو میں رکھنا، انسان کی انسانیت اور شرافت کا کمال ہے، اگر وقتی طور پر کوئی شخص جذبات کے دھارے میں بہہ رہا ہو تو اسے چاہئے کہ اس وقت بھی جوش میں آکر ہوش کو نہ کھو بیٹھے، شریعت کا حکم یہ ہے کہ ایسی حالت میں ایک طلاق دے، وہ بھی طہر (پاکی) کی حالت میں۔

تین طلاق اور ایک طلاق کے سلسلہ میں اسلامی شریعت کا مزاج یہ ہے:

"طلاق بذات خود اسلام میں سخت ناپسندیدہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض حلال طلاق ہے، اس کے بعد اگر آدمی ایسا کرے کہ وہ ایک ہی وقت میں تین طلاق دیدے تو یہ حد درجہ سرکشی کی بات ہے، شریعت میں اسکو بے حد برا قرار دیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ جب ان کے پاس ایسا شخص لایا جاتا، جس نے اپنی عورت کو بیک وقت تین طلاق دی ہو تو وہ اسکی پیٹھ پر کوڑا مارتے تھے۔ (کان عمر بن الخطاب إذا اتی برجل طلق امراتہ ثلاثا، أوجع ظهره. التفسیر المظهری)

جو شخص نکاح و طلاق کے معاملہ میں اسلام کے اصول پر چلنا چاہے اس کے لئے لازم ہے کہ وہ مذکورہ اصول کی پابندی کرے۔ تین طہر میں طلاق دینے کا یہ طریقہ حد درجہ فطری اور مناسب ہے، اس طریقہ میں وہ تمام طلاق اپنے آپ ختم ہو جاتے ہیں، جو وقتی جذبہ کے تحت پیدا ہوئے ہوں، غصہ اور جوش میں اگر آدمی کے اندر طلاق کا ارادہ پیدا ہو گیا ہو تو وہ ایک مہینہ یا دو مہینہ میں اپنے آپ ختم ہو جائے گا، ذہن میں اعتدال آتے ہی آدمی اپنے پچھلے جذبہ پر پچھتائے

گا اور اس سے رجوع کر کے اپنی بیوی سے دوبارہ تعلقات درست کرے گا۔ البتہ اگر طلاق کا سبب بہت زیادہ بنیادی ہو اور آدمی نے سوچ سمجھ کر علیحدگی کا فیصلہ کر لیا ہو تو وہ دو مہینے گزرنے کے بعد بھی اپنے فیصلہ پر باقی رہے گا، اس کے بعد جب تیسرے مہینہ وہ آخری بار جدائی کا اعلان کرے گا تو وہ حقیقی جدائی ہوگی، وہ مصنوعی جدائی نہ ہوگی جس پر آدمی ساری عمر افسوس کرتا رہے"

(خاتون اسلام ص ۲۲۶-۲۲۵)

ایک صاحب طلاق کے سلسلہ میں اپنے وکیل سے مشورہ کے لئے، مخلص اور ہمدرد وکیل نے اپنے مؤکل کو جو مخلصانہ مشورہ دیا، وہ بلاشبہ اہم واقعہ ہے۔ یہ واقعہ صرف وکلاء حضرات ہی کے لئے نہیں بلکہ سماجی مصلحین کے لئے بھی عبرت اور موعظت کا پہلو اپنے اندر رکھتا ہے۔

"خاتون اسلام" کے مصنف نے لکھا ہے:

"دہلی کے ایک مسلمان وکیل نے مجھ سے ایک ... بیان کیا کہ ان کے یہاں ایک مسلمان اپنی بیوی کو بیک وقت تین طلاق دینا چاہتے تھے، وکیل صاحب اسلام کے قانون کو جانتے تھے، انہوں نے مذکورہ مسلمان سے کہا کہ ایک وقت میں تین طلاق دینا اسلام میں سخت برا ہے، آپ کو اگر طلاق دینا ہے تو اسلام کے مقررہ طریقہ کے مطابق تین طہر میں اس کی تکمیل کیجئے، وہ راضی ہوگئے۔ واپس جا کر انہوں نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں تم کو ایک طلاق دیتا ہوں، مگر جب اگلا مہینہ آیا تو ان کے جذبات ٹھنڈے پڑ چکے تھے، انہوں نے اپنے سابقہ فیصلہ سے رجوع کر لیا، اور اپنی بیوی سے دوبارہ تعلقات قائم کر لئے، وہ وکیل صاحب سے دوبارہ ملے، اور کہا کہ آپ نے میرے ساتھ بہت احسان کیا، حقیقت یہ ہے کہ اگر میں نے جوش کی حالت میں اپنی بیوی کو اسی وقت آخری طلاق دیدیا ہوتا تو میرا گھر برباد ہو جاتا۔ (صفحہ ۲۲۶)

معلوم ہوا کہ اسلام نے طلاق کی اجازت تو ضرور دی ہے، لیکن وہ چاہتا ہے کہ بے سمجھے محض جذبات کی رو میں طلاق نہ دے بیٹھے، اور بعد میں اسے پچھتانا پڑے، بلکہ طلاق کا فیصلہ ہو تو انتہائی سنجیدگی سے اور غور و فکر کے بعد ہو، مسئلہ کی نزاکت کے پیش نظر ایسے موقع پر اقدام طلاق سے پہلے کسی صاحب الرائے عالم دین سے مشورہ بھی حاصل کر لیا جائے، پھر ایک اہم بات یہ ہے کہ طلاق دینے کا مسئلہ ایک اہم مسئلہ ہے، جس کی طرف علماء اور مصلحین کو توجہ کرنی چاہئے، اور بعض غیر ضروری اور از کار رفتہ مسائل کو موضوع بحث بنانے کی بجائے اس طرح کے معاشرتی اور سماجی مسائل پر نظر کو مرکوز کرنی چاہئے۔

دعاء کے فضائل وآداب

مولانا محمد نعیم اختر قاسمی سبیلی

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "الدعاء مخ العبادۃ" (۱) دعا عبادت کا مغز اور جوہر ہے، یعنی انسانی اعضاء میں جو حیثیت سر کو حاصل ہے وہی حیثیت عام عبادات میں دعا کی ہے، کیونکہ عبادت کے اصلی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے حضور انتہائی تذلل، بندگی، عاجزی، لاچاری، محتاجی اور مسکینی کا پورا پورا اظہار، اسکے در کی گدائی اور اس کے احکام و قوانین کی پوری پوری پیروی۔ درحقیقت انسان کی تخلیق کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ اپنی عاجزی اور درماندگی کا اظہار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا سر تسلیم خم کردے۔ نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور دیگر عبادات میں اگر غور کیا جائے تو یہ معنی بدرجہ اُتم پایا جاتا ہے، لیکن دنیا میں سب سے زیادہ ذلت اور رسوائی کی بات یہ سمجھی جاتی ہے کہ انسان کسی کے سامنے دست سوال دراز کرے اور اس سے کچھ مانگے، لہذا بندہ جب اللہ کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے اور بھیک مانگتا ہے تو وہ اللہ کے سامنے اتنا ذلیل اور محتاج ہو جاتا ہے کہ اس کے بعد ذلت کا کوئی درجہ باقی نہیں رہتا؛ چنانچہ عبادت کا انتہائی درجہ دعا کے اندر پایا گیا، جس کی بنا پر اسے حدیث شریف میں عین عبادت اور عبادت کا مغز قرار دیا گیا۔

جب انسان خدا کی بندگی کرتا ہے تو خدا اس سے خوش ہوتا ہے اور جب وہ بندگی کا اعلیٰ درجہ پیش کرتا ہے یعنی اس کے سامنے مانگنے کے لیے ہاتھ پھیلا دیتا ہے تو وہ سب سے زیادہ خوش ہوتا ہے، بلکہ حدیث شریف میں ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتا نہیں تو اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوتے ہیں۔ (۲)

دنیا میں کوئی ایسا نہیں جو سوال نہ کرنے ناراض ہوتا ہو، بلکہ اسکے برعکس مانگے جانے پر وہ ناخوش ہو جاتا ہے، محبت بھی ہوتی ہے تو اس میں کمی واقع ہو جاتی ہے، مگر اللہ تعالیٰ کی ذات کریمی بندوں پر اتنی مہربان ہے کہ نہ مانگنے پر وہ ناخوش ہوتی ہے اور مانگنے پر اسے پیار آتا ہے۔

---

(۱) ترمذی ۲/۱۷۵ (۲) حوالہ سابق

اس کی بنیادی وجہ یہ کہ دنیا میں جس سے بھی سوال کیا جائے خواہ اس کے یہاں دولت کی ریل پیل ہو، مگر پھر بھی اس کا خزانہ محدود ہے، جتنا دے گا اتنے حصہ کی اس کے خزانہ سے کمی ہو جائے گی، مگر اللہ تعالیٰ کا خزانہ لامحدود ہے، اگر کسی کو پورا عالم بھی دیدیں تب بھی کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ اس لحاظ سے تمام بندے فقیر اور محتاج ہیں اور غنی اور مالدار صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ارشادِ باری ہے: "یا أَیُّھا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَی اللّٰہِ وَ اللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیدُ (فاطر-۱۵)

اے لوگو! تم سب کے سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ ہی بے نیاز اور لائق تعریف ہے۔

لہٰذا بندہ کو چاہئے کہ اپنی تمام تر ضرورتیں خواہ وہ چھوٹی ہوں یا بڑی، تھوڑی ہوں یا زیادہ محتاج بندوں کے سامنے پیش کرنے کے بجائے ایسی غنی ذات کے سامنے پیش کرے جس کے خزانہ میں کبھی کمی نہیں واقع ہوتی۔ اسی بات کی وضاحت کرتے ہوئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "لوگو! اپنی ساری حاجتیں اپنے رب کے سامنے بیان کرو حتی کہ اگر کسی کے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اس کی درستگی کی اسی سے دعا کرے۔(۱)

دعا کرنے کے فضائل

جیسا کہ معلوم ہوا دعا ایک عبادت ہی نہیں بلکہ اسکا اعلیٰ درجہ ہے، اسی لیے قرآنِ کریم نے جہاں دیگر عبادات کا حکم دیا ہے، وہیں متعدد مقامات پر دعا کا بھی حکم دیا ہے۔ مثلاً ارشاد ہے:

اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (مؤمن - ۶۰) مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

وَ إِذَا سَأَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَإِنِّیْ قَرِیْبٌ أُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَ لْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ (البقرہ-۱۸۶)

اور جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو میں قریب ہی ہوں، درخواست کنندہ کی عرضی میں منظور کرلیتا ہوں، جب کہ وہ میرے پاس درخواست کرے۔ انہیں چاہئے کہ میرے احکام کو قبول کیا کریں اور مجھ پر یقین رکھیں، تاکہ وہ راہ یاب ہو جائیں۔

ایک اور موقع پر ارشاد ہے: اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَةً (اعراف - ۵۵)

اپنے رب کو عاجزی کے ساتھ اور خفیہ انداز سے پکارو۔

---

(۱) ترمذی ۲/۲۰۱

حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو بندہ کی دعا سے زیادہ کوئی عمل محبوب نہیں (۱) دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ جسے دعا کی توفیق ہو گئی اس کے لیے رحمت کے دروازے کھل گئے۔ (۲)

نیز اللہ تعالیٰ نے انبیاء، صلحا اور متقین کی ایک خاص صفت یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ ہر حال میں ہمہ وقت اس کی یاد میں مشغول رہتے ہیں اور اس کی جناب میں دست سوال دراز کر کے اس کے فضل و کرم کے امیدوار ہوتے ہیں۔ ارشاد ہے:

"یہ لوگ بھلائی کے کاموں کی طرف سبقت کرنے والے تھے اور خوف و رجاء کی کیفیت کے ساتھ ہم سے دعا کرتے تھے اور ہمارے سامنے جھکے رہتے تھے۔" (انبیاء-۹۰)

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ایسے ہی لوگوں کی جانب خصوصی توجہ دینے کا حکم فرمایا ہے۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهُ

(الکھف - ۲۸)

ترجمہ: اپنے آپ کو انہیں لوگوں کے ساتھ جماؤ جو باری تعالیٰ کی خوشنودی کی طلب میں اسے صبح و شام پکارتے رہتے ہیں۔

لہٰذا ان آیات و احادیث پر عمل پیرا ہوتے ہوئے اور انبیاء اور اہل تقویٰ حضرات کے اس وصف خاص میں اپنے آپ کو رنگتے ہوئے انسان کو چاہیے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے، خواہ اسے کوئی ضرورت درپیش ہو یا نہ ہو۔ ایک مؤمن کی اس سے بڑی ضرورت کیا ہو سکتی ہے کہ خدا اسے دنیا میں صراط مستقیم پر قائم رکھے، ایمان پر خاتمہ نصیب فرمائے، عذابِ قبر سے محفوظ فرمائے، روز محشر کی رسوائی سے حفاظت فرمائے، جہنم کے عذاب سے بچائے اور جنت میں داخلہ آسان فرمائے وغیرہ وغیرہ۔ مؤمن کو تو ہر لمحہ اور زندگی کے ہر موڑ پر خدا کی مدد کی ضرورت ہے، لہٰذا ان چیزوں کی ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے دعا کرنی چاہیے۔

دعا مانگنے کے آداب

کسی سے کچھ مانگنے کے بھی آداب ہوتے ہیں، چنانچہ دنیا میں جب کوئی شخص کسی کے سامنے اپنی ضرورت پیش کرتا ہے تو اس کے جملہ آداب کی بھی رعایت کرتا ہے۔ مثلاً سب سے

---

(۱) ترمذی ۲/۱۷۵ (۲) ترمذی ۲/۱۹۵

پہلے وہ مناسب موقع ومحل کی تاک میں رہتا ہے جس میں عطا کرنے والا دیگر امور و مشاغل سے فارغ ہو اور پوری یکسوئی اور انہماک کے ساتھ اس کی ضرورت کی جانب توجہ دے سکے، پھر اس کی خدمت میں اس کے شایانِ شان چند تعریفی کلمات پیش کرتا ہے، اپنے قدیم تعلقات کی یاد دہانی کراتا ہے، اس کے بعد بر سر مطلب آتا ہے اور بہت ہی دلکش اور انوکھے انداز سے اپنا مدعا بیان کرتا ہے۔ اس معاملہ میں جو جتنا موقع شناس اور مزاج آشنا ہوتا ہے اتنا ہی وہ اپنے دامن کو انعام واکرام سے بھر کر واپس ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنے کے بھی چند آداب ہیں جن کی بندہ کو رعایت کرنی چاہئے، تاکہ اس کے نتیجہ میں بندہ پر بندگی کا پورا رنگ چڑھ جائے، پھر رحمت الٰہی جوش میں آئے اور اس کی دعا شرفِ قبولیت سے نوازی جائے۔ دربارِ خداوندی میں ہاتھ پھیلانے کے مندرجہ ذیل آداب ہیں:

(۱) اوقات ومقامات کی رعایت

یوں تو دعا کی قبولیت میں بنیادی دخل انسان کی طلب اور تڑپ کا ہے جس کو قرآن میں اضطرار اور ابتہال سے تعبیر کیا گیا ہے، تاہم قرآن وحدیث میں کچھ ایسے خاص اوقات ومقامات کی نشاندہی کی گئی ہے جن میں اللہ تعالیٰ خاص طور پر بندوں کی جانب متوجہ ہوتے ہیں اور دعا کی قبولیت کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔ مثلاً:

رات کا آخری پہر: صبح سے لے کر شام تک ایک دنیا دار انسان دنیا کے ہنگاموں اور بکھیڑوں میں گھرا ہوتا، تجارتی منڈیوں کی گھما گھمی اور گرم بازاری میں اپنا سر کھپاتا ہے، شام کے وقت حساب لگاتا ہے کہ آج کے دن کیا کھویا اور کیا پایا؟ اس کے ذہن کے پردہ پر چند نئی آرزوؤں اور تمناؤں کی تصویر ابھرتی ہے اور پھر ان کے حصول کے اسباب و وسائل پر غور کرنا شروع کر دیتا ہے، اسی حالت میں نیند کا ایک جھونکا اسے آدبوچتا ہے اور وہ اپنی تمناؤں کا نیا قلعہ تعمیر کرتے ہوئے محو خواب ہو جاتا ہے، دوسری صبح اس کی زندگی کی گاڑی پھر اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہو جاتی ہے۔

اس کی نظر محدود ہے، امورِ دنیا میں ہمہ وقت اشتغال کی وجہ سے قلبی بصیرت کا دائرہ اس سے بھی محدود تر۔ شبانہ روز کی اسی مسلسل جدوجہد کا نام زندگی ہے، عالم فانی میں روز افزوں مادی ترقی کے منازل طے کرنے کا نام عقلمندی اور دانائی ہے، اپنے پیچھے مڑ کر دیکھتا ہے تو تہہ بتہ

تاریکی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا، آگے آنے والی ابدی زندگی کی بابت کچھ سوچنے سمجھنے کی نہ اسے فرصت ہے اور نہ ہی اس کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ لیکن اللہ کا وہ بندہ جس کا دل نورِ ایمان سے منور ہے، دل کی کھیتی معرفت خداوندی سے سرسبز وشاداب ہے، اس کے نزدیک دنیا کی حیثیت مسافر کی ایک عارضی قیام گاہ کی سی ہے، اس کی نگاہ بہت دور تک کام کرتی ہے، پیچھے دیکھتا ہے تو گزشتہ قوموں کے رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعات اس کے سامنے ہوتے ہیں، آگے نظر دوڑاتا ہے تو عالم برزخ، میدان حشر، حساب وکتاب اور جنت وجہنم کا منظر اس کی آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے، وہ ہر لمحہ کو اپنی زندگی کا آخری لمحہ تصور کرتا ہے، رات کو خدا کا نام لے کر سوتا ہے، مگر اس کے دلی احساسات رات کے آخری پہر اچانک اس کی میٹھی نیند توڑ دیتے ہیں اور آنکھوں سے کوسوں دور اڑا لے جاتے ہیں اور وہ تصورات کی دنیا میں کھو جاتا ہے، کبھی وہ سوچتا ہے کہ اللہ نے مجھے کیوں پیدا فرمایا؟ کبھی اس کی نگاہ اس طرف جاتی ہے کہ زمین، آسمان چاند، سورج، دریا، پہاڑ، حیوانات ونباتات اور ستاروں اور سیاروں کی پیدائش کا مقصد کیا ہے؟ پھر اس کا ذہن ودل آواز دیتا ہے کہ یہ بے وجہ پیدا نہیں کئے گئے، یہ تو اسی ذات وحدہ لا شریک لہ کا کارنامہ ہے جس کے سوا کوئی لائق سجدہ نہیں، وہ اسی غور وفکر کے سمندر میں غوطہ زن رہتا ہے کہ ناگاہ اس کے سامنے قیامت کے دن کا نقشہ آجاتا ہے، نفسا نفسی کے عالم کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے، جہنم کی خوفناکی اور ہولناکی کا تصور کر کے آخر کار وہ اٹھ بیٹھتا ہے اور پاک صاف ہو کر اپنے معبودِ حقیقی کے سامنے دست سوال دراز کر دیتا ہے، روتا گڑگڑاتا اور ناک رگڑتا ہے کہ اے میرے رب! تو مجھے جہنم سے اور روز محشر کی رسوائی سے بچا۔

الّذینَ یذکُرُونَ اللہَ قیما و قُعُودا وّ علی جنُوبھمْ و یتفکّرُونَ فی خلقِ السّمٰوات و الأرض ربّنا ما خلقت ھذا باطلا سُبحانک فقنا عذاب النّار (آل عمران - ۱۹۱)

جو اپنے رب کو یاد کرتے ہیں کھڑے، بیٹھے اور پہلوؤں کے بل اور زمین وآسمان کی خلقت میں تدبر اور غور وفکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو نے انہیں بے وجہ نہیں پیدا کر دیا، آپ کی ذات تو اس سے پاک ہے، لہٰذا ہمیں جہنم کے عذاب سے محفوظ فرما۔

پھر وہ ذات جو اس وقت اس تاک میں رہتی ہے کہ میرا بندہ کب مجھ سے کچھ مانگے کہ میں اسے عطا کروں وہ اس کے تضرع اور عاجزی سے خوش ہوتی ہے اور اسکی جھولی کو مرادوں سے بھر دیتی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رات کا تہائی حصہ جب باقی رہ جاتا ہے تو اللہ جل شانہ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور پکارتے ہیں کہ ہے کوئی مجھ سے دعا کرنے والا کہ میں قبول کروں، ہے کوئی مجھ سے کچھ مانگنے والا کہ میں عطا کروں، ہے کوئی مغفرت کا طلبگار کہ میں اسکی مغفرت کروں(۱)

یہ وہ وقت ہوتا ہے جس میں انسان کے دل کا آئینہ بالکل صاف و شفاف ہوتا ہے اور بارگاہِ الٰہی میں توبہ واستغفار کے وقت ریا اور نمود کا دور دور تک نام و نشان نہیں رہتا۔ قرآن میں اہل تقویٰ کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ:

كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ. (الذاریات - ۱۸)

یہ لوگ رات میں بہت کم سوتے ہیں اور آخری پہر اپنے رب سے استغفار کرتے ہیں۔

عرفہ کا دن:

اہل بصیرت اس دن انوار الٰہی اور تجلیات ربانی کا، بصارت اور بصیرت کی نگاہوں سے مشاہدہ کرتے ہیں، فرزندان توحید کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے، پروانوں کا ہجوم ہے، ہر طرف رحمتوں کی گھٹا چھائی ہوئی ہے اور پھر ابر رحمت کی موسلا دھار بارش ہونے لگتی ہے، ہر سو لبیک کا آوازہ بلند ہوتا ہے، حسب ارشاد نبویؐ اس روز اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں اور فرشتوں سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ ذرا میرے بندوں کو دیکھو یہ میرے حکم پر رُوئے زمین کے چپہ چپہ سے چل کر میری صدا پر جمع ہوئے ہیں، ان کے بال بکھرے ہوئے ہیں، جس پر گرد و غبار پڑے ہوئے ہیں، میری رحمت کی آس لگائے بیٹھے ہیں اور ان دیکھے میرے عذاب سے پناہ چاہ رہے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ مستحقین جہنم کی ایک اتنی بڑی تعداد کو خلاصی کا پروانہ عطا کر دیتے ہیں کہ عام دنوں میں اتنی بڑی تعداد کی بخشش نہیں ہوتی (۲)

ماہِ رمضان:

حدیث میں ہے کہ آنحضور ﷺ جب رجب کا چاند دیکھتے تو دعا فرماتے کہ اے اللہ اس ماہِ رجب اور شعبان کو ہمارے حق میں مبارک بنا اور ماہِ رمضان کے حصول کی توفیق عطا فرما (۳)

غور کرنے کا مقام ہے کہ ماہ رمضان کی وہ کون سی کشش ہے جس کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو ماہ پہلے ہی اس کے حصول کی دعا فرما رہے ہیں؟ دراصل یہ مہینہ مکمل مغفرت کا

(۱) بخاری ۱/۱۵۳ (۲) الدعاء للسید طنطاوی ص ۲۹، بحوالہ ابن حبان (۳) مسند احمد ۱/۲۵۹

مہینہ ہے، جس میں جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں، جنت کی کھڑکیاں کھول دی جاتی ہیں، سرکش شیاطین کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں اور ایک پکارنے والا پکارتا ہے کہ اے طالب خیر! اپنے رب کی جانب متوجہ ہو جا اور اے طالب شر! تو اب تو باز رہ۔(۱)

شب قدر:

اسی مبارک ماہ میں ایک رات ایسی بھی آتی ہے جس میں عبادت کرنا ہزار ماہ کی عبادت سے افضل ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں کی ایک بڑی تعداد، دنیا میں آتی ہے اور ہر طرف نور اور تجلی کا سماں ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس رات کو خصوصاً دعا، استغفار، نماز، تلاوت، صدقہ اور خیرات وغیرہ کا اہتمام فرماتے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ جو شخص شب قدر میں ایمان ویقین کی کیفیت کیساتھ عبادت کرے گا اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے (۲)

جمعہ کا دن:

جمعہ کا دن "سید الایام" نے ہے، اللہ تعالیٰ نے اس دن کو گوناگوں خصوصیات سے نوازا ہے، جن کا احاطہ دشوار ہے۔ علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب "نور اللمعة فی خصائص الجمعة" میں اس دن کی ننانوے خصوصیات ذکر فرمائی ہیں، جس سے اس دن کی عظمت اور اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جمعہ کے دن ایک ایسی گھڑی بھی آتی ہے جس میں بندہ اللہ تعالیٰ سے جو سوال کرتا ہے وہ پورا ہوتا ہے۔(۳)

اس گھڑی کی تعین میں علماء کرام کے بیالیس اقوال ہیں جنہیں مایۂ ناز شافعی محقق حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباری کے اندر بیان فرمایا ہے (۴) تاہم دو قول زیادہ مشہور و معروف ہیں: اول نماز عصر کے بعد سے غروبِ آفتاب تک کے دوران دوم امام کے خطبہ کے لیے ممبر پر بیٹھنے کے بعد سے نماز مکمل ہونے کے بیچ میں۔(۵)

لہٰذا ان دونوں وقتوں میں دعا کرنے سے بہت ممکن ہے کہ وہ گھڑی آجائے اور اس کے اندر کی گئی دعا مقبول ہو جائے۔

---

(۱) ابن ماجہ ۱/۱۱۹ (۲) بخاری ۱/۲۷۰ کتاب الصوم (۳) بخاری ۱/۱۲۸ (۴) فتح الباری ۲/۷-۵۲-۵۳۶

(۵) معارف السنن ۴/۳۰۸

اذان واقامت کا درمیانی وقت

اذان واقامت کا درمیانی وقت بھی ان اوقات میں سے ہے جن میں اللہ تعالی کی رحمت خاصہ انسان کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور اس کی حاجت روائی فرماتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اذان واقامت کے درمیان کی دعا رد نہیں ہوتی، قبول ہی ہوتی ہے۔ صحابہؓ کرامؓ نے دریافت کیا کہ اے اللہ کے رسول! اس دوران ہم کیا دعا کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ سے دنیا اور آخرت دونوں جہان میں عافیت کی دعا مانگو(۱)

حالت سجدہ

سجدہ کی حالت میں انسان اپنے باطن کے علاوہ ظاہر کو بھی اپنے خالق اور مالک کے سامنے جھکا دیتا ہے، حالت سجدہ کے علاوہ کسی اور ہیئت میں یہ اظہار عجز وتذلل اتنا زیادہ نمایاں نہیں ہوتا، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ سجدہ کی حالت میں اپنے رب سے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے، لہٰذا اس حالت میں خوب دعا کرو بڑی امید ہے کہ وہ دعا شرف قبولیت سے نوازی جائے۔(۲)

فرض نمازوں کے بعد کا وقت

جب بندہ اپنے رب کے سامنے اپنی بندگی کا ثبوت پیش کر دیتا ہے تو نقد انعام دینے کے لیے ذات باری اس کی جانب متوجہ ہوتی ہے اور بندہ جو بھی دعا کرتا ہے وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو رات کے آخری پہر اور فرض نمازوں کے بعد کی جائے۔(۳)

فرض نمازوں سے مراد اس جگہ صرف فجر اور عصر کی نمازیں ہیں جن کے بعد سنت مؤکدہ نہیں ہے، البتہ وہ نمازیں جن کے بعد سنت مؤکدہ پڑھی جاتی ہے جیسے ظہر، مغرب اور عشاء تو انکے آخر میں مختصر دعا کرنے کے بعد فوراً سنت ادا کرنی چاہئے، تاخیر مکروہ ہے، جیسا کہ حدیث اور فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔(۴)

دیدارِ کعبہ، بارش اور جہاد کے وقت

حدیث شریف میں ہے کہ چار مواقع ایسے ہیں جن میں خصوصیت کے ساتھ دعا قبول

---

(۱) ترمذی ۲/۲۰۰ (۲) مسلم ۱/۱۹۱ (۳) ترمذی ۲/۱۸۷ (۴) دیکھئے معارف السنن ۳/۱۲۱، ۱۲۵، فتاوی ہندیہ ۱/۷۷

ہوتی ہے: راہِ خدا میں جنگ کے وقت، بارش نازل ہونے کے وقت، نماز شروع ہونے کے وقت اور دیدارِ کعبہ کے وقت (۱)

ختم قرآن کے وقت:

قرآن کریم کی تلاوت کے وقت بندہ اللہ تعالیٰ سے قریب تر اور اس سے ہم کلام ہوتا ہے، بشرطیکہ تلاوت دل سے ہو صرف زبان سے نہ ہو، اس کے ختم پر جو دعا کی جائے وہ مستحق ہے کہ رحمت خداوندی خود آگے بڑھ کر اس کا استقبال کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ختم قرآن کے بعد جو دعا کی جاتی ہے وہ ضرور قبول ہوتی ہے (۲)

مقدس مقامات:

قبولیت دعا کے لیے اللہ تعالیٰ نے چند مقامات کو بھی خصوصیت سے نوازا ہے، جن میں مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، میدانِ عرفات، کعبہ، مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ اور دیگر مساجد داخل ہیں۔ اس میں راز یہ ہے کہ ان مقامات میں داخل ہونے کے بعد انسان کے ذہن و دل کی توجہ دنیاوی مشاغل سے پوری طرح ہٹ کر خالق ارض و سماء کی جانب مبذول ہوتی ہے اور آئینۂ دل بے داغ اور بے غبار ہوتا ہے اور یہ کیفیت دعا کے اندر جس قدر پیدا ہوگی خالق و مخلوق کے درمیانی فاصلے اسی قدر مٹیں گے۔

وہ جن کی دعائیں خصوصیت سے قبول ہوتی ہیں

ان اوقات و مقامات کے علاوہ خدا کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جن کی دعائیں بارگاہِ ایزدی میں خصوصیت کے ساتھ مقبول ہوتی ہیں۔ حدیث شریف میں ایسے پانچ لوگوں کی نشاندہی کی گئی ہے: (۱) مظلوم کی دعا جب تک وہ بدلہ نہ لے لے (۲) حاجی کی دعا جب تک وہ گھر واپس نہ آجائے (۳) راہِ خدا میں جہاد کرنے والے کی دعا جب تک وہ شہید نہ ہو جائے (۴) مریض کی دعا جب تک وہ شفایاب نہ ہو جائے (۵) ایک بھائی کی دوسرے بھائی کے حق میں غائبانہ دعا۔ پھر آپؐ نے فرمایا ان میں سب سے جلد قبول ہونے والی دعا کسی بھائی کے لیے غائبانہ دعا ہے۔ (۳)

---

(۱) معارف الحدیث ۵/۱۳۸، بحوالہ معجم کبیر للطبرانی (۲) معارف الحدیث ۵/۷، ۱۳، بحوالہ معجم کبیر للطبرانی (۳) معارف الحدیث ۵/۱۳۶، بحوالہ دعوات کبیر للبیہقی

ایک اور موقع پر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین دعائیں ایسی ہیں جن کی قبولیت میں شک ہی نہیں ہے (۱) اولاد کے حق میں والدین کی دعا (۲) مسافر کی دعا (۳) مظلوم کی دعا(۱)

(۲) قبلہ رو ہو کر دعا کرنا

نماز کی صحت کے لیے تو استقبال قبلہ شرط ہے، لیکن اگر دعا میں قبلہ رو ہو کر اللہ سے کچھ مانگا جائے تو اس میں یک گونہ نماز سے مشابہت ہو جاتی ہے اور بندہ اپنے رب سے زیادہ قریب ہو جاتا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ رخ ہو کر استسقاء کی دعا مانگی تھی (۲) اس لئے اس کا اہتمام کرنا بہتر ہے۔

(۳) ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا

باطن کے ساتھ اگر ظاہر بھی اپنی عاجزی اور بے کسی کا اظہار کرنے لگے تو یہ رحمت حق کے حصول میں زیادہ مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگو! تمہارا رب ہمیشہ زندہ اور فیاض ہے، جب کوئی اس کے سامنے ہاتھ پھیلا دیتا ہے تو اسے نامراد کرتے ہوئے اس ذات کو حیاء محسوس ہوتی ہے۔ (۳)

(۴) دونوں ہاتھوں کا چہرہ پر پھیرنا

آدابِ دعاء میں سے یہ بھی ہے کہ دعا ختم کرنے کے بعد دونوں ہاتھ چہرے پر اس تصور کے ساتھ پھیر لیے جائیں کہ یہ پھیلے ہوئے ہاتھ خالی نہیں رہے ہیں، رب کریم کی رحمت و برکت کا کوئی نہ کوئی حصہ اس کو ضرور ملا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا سے فارغ ہوتے تو دونوں ہاتھ چہرہ پر پھیر لیا کرتے تھے۔ (۴)

دعا سے پہلے حمد و صلوٰۃ

دیکھا جاتا ہے کہ جب کسی سے کوئی غرض وابستہ ہوتی ہے اور اس سے کچھ طلب کرنا ہوتا ہے تو اولاً اس کے سامنے اس کی خوب تعریف کی جاتی ہے، اس کی شان میں مدحیہ اشعار پڑھے جاتے ہیں اور اس کے احسانات کا ذکر کیا جاتا ہے، جب ضرورت مند دیکھتا ہے کہ وہ پوری طرح مائل ہو چکا ہے اور راستہ ہموار ہو چکا ہے تو اپنی ضرورت اس کے سامنے بہت ہی بھلے انداز اور لطیف پیرائے میں بیان کر دیتا ہے، پھر ممدوح کی غیرت و حمیت اس بات کو گوارہ

---

(۱) ابوداؤد ۱/ ۲۱۵ (۲) بخاری ۱/ ۷ ۱۳ (۳) ترمذی ۲/ ۱۹۶ (۴) ترمذی ۲/ ۱۷۶

نہیں کرتی کہ اسے نامراد لوٹا دیا جائے۔

اپنی حاجت براری کا یہ سب سے مؤثر اور کامیاب ترین نسخہ ہے اور اسی کو اختیار کرنے کا اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ میں بندوں کو حکم دیا ہے کہ ابتدائی تین آیتوں میں بندہ اپنے آقا اور مولیٰ کی تعریف کے گن گاتا ہے، چوتھی آیت میں اپنے اور مولیٰ کے مابین الوہیت اور عبدیت کے رشتہ کو واضح کرتا ہے، اس کے بعد اپنے اصلی مقصد اور ضرورت کو پیش کر دیتا ہے؛ اسی بنا پر سورۂ فاتحہ کے چودہ ناموں میں سے ایک نام ''سورۂ دعا'' بھی ہے کہ اس کے اندر بندوں کو اللہ سے مانگنے کا طریقہ سکھلایا گیا ہے۔

متعدد احادیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی توجہ اس جانب مبذول فرمائی ہے، چنانچہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ حمد و ثنا اور درود شریف کے بغیر دعا مانگ رہا ہے، آپؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس شخص نے عجلت سے کام لیا، پھر اسے پاس بلایا اور فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی دعا کرے تو ابتداء اللہ کی حمد و ثنا کرے، اس کے بعد میرے اوپر درود بھیجے، پھر جو جی میں آئے دعا مانگے۔(۱)

اس لیے اللہ کی حمد و ثنا کے بعد اور اپنا مدعی پیش کرنے سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھی پیش کرنا چاہیے۔

دعا ختم کرتے وقت پھر درود پڑھنا

درود شریف آنحضرتؐ کے حق میں ایک ایسی دعا ہے جو ضرور قبول کی جاتی ہے۔ اگر دعا ختم کرنے سے پہلے ایک مرتبہ اور درود پڑھ لیا جائے تو دعا کا اول و آخر تو مقبول ہو ہی جائے گا، درمیانی چیز سے متعلق اللہ تعالیٰ کی شانِ کریمی اس بات کو گوارہ نہ کرے گی کہ وہ اسے قبول نہ کرے۔ اردو میں مثل مشہور ہے کہ مٹھائی کے ساتھ ڈبہ بھی اسی بھاؤ فروخت ہو جاتا ہے۔

خشوع اور گریہ کی کیفیت

دعا دراصل ان دعائیہ الفاظ کا نام نہیں جو زبان سے ادا ہوتے ہیں، ان الفاظ کو زیادہ سے زیادہ دعا کا لباس یا قالب کہا جا سکتا ہے۔ اگرچہ قبولیت دعا میں یک گونہ الفاظ کی تاثیر کا بھی دخل ہے، تاہم دعا درحقیقت اس باطنی کیفیت کا نام ہے کہ انسان کے دل میں تڑپ ہو، اس کی

(۱) ابوداؤد / ۲۰۸

روح میں بے قراری ہو، انگ انگ عجز وانکساری میں ڈوبا ہوا ہو، ہاتھ خالق ارض وسماء کی جناب میں دراز ہوں، قلب پر خشیت طاری ہو اور آنکھیں ندامت وشرمساری سے اشکبار ہوں۔ اسی کیفیت کو اختیار کرنے اور بندگی کے اسی رنگ میں رنگ جانے کا اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً (اعراف ۵۵) اپنے رب کو گڑگڑا کر اور پست آواز سے پکارو

آج ہماری دعاؤں میں یہ کیفیت یکسر مفقود ہے، صرف صورتا دعا ہوتی ہے کہ ہاتھ خدا کے سامنے پھیلے ہوئے ہیں، زبان پر رٹے ہوئے الفاظ جاری ہیں، دل کی توجہ مفقود ہے، وہ کہیں اور اٹکا ہوا ہے، ذہن دکان، تجارت بیوی، بچوں اور دنیا کی آسائشوں میں بٹا ہوا ہے۔ اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کسی غافل دل والے کی دعا قبول نہیں فرماتے۔ (۱)

جب انسان کے دل کی توجہ اللہ کی جانب نہ ہوگی تو اللہ تعالیٰ اس کی جانب التفات کیوں فرمائیں گے؟ سنت الٰہی یہی ہے جس کو خود اس پاک ذات نے بیان فرمادیا کہ "جب بندہ مجھ سے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اس سے ایک گز قریب ہوتا ہوں اور جب وہ مجھ سے ایک گز قریب ہوتا ہے تو میں اس سے دو گز قریب ہوتا ہوں اور جب وہ میرے پاس چل کر آتا ہے تو میں اس کے پاس دوڑ کر پہنچتا ہوں۔ (۲)

ضرورت ہے کہ آج ہم اپنی دعاؤں میں اس کیفیت کو پیدا کریں، اس میں جس قدر اضافہ ہوگا اتنا ہی بندہ اللہ سے قریب ہوگا اور اس کی بات اتنی ہی توجہ سے سنی جائے گی۔

• پست آواز سے دعا مانگنا

دعا مانگتے وقت آواز بہت زیادہ بلند نہ ہونی چاہئے، بلکہ معتدل ہونی چاہئے اور اگر تنہائی میں دعا مانگے تو بلا آواز مانگے۔ کیوں کہ آواز جتنی پست ہوگی دل کی توجہ اللہ کی جانب بڑھے گی، اخلاص پیدا ہوگا، خشوع وخضوع میں اضافہ ہوگا، ادب واحترام کی زیادہ رعایت ہوگی، مناجات اور سرگوشی کا لطف اٹھائے گا اور اپنے دل کی بات نوکِ زبان پر لانے میں کوئی دشواری، عار اور شرم محسوس نہ کرے گا۔

---

(۱) ترمذی ۲/۱۸۶ (۲) ترمذی ۲/۲۰۰

حضرت زکریا علیہ السلام بڑھاپے کی دہلیز پر قدم رکھ چکے تھے، ان کی اہلیہ بھی سن ایاس کو پہونچ چکی تھیں، ظاہری اسباب مسدود نظر آرہے تھے، مگر دل کے اندر ایک قابل اور لائق جانشین کی خواہش انگڑائی لے رہی تھی، چنانچہ وہ مسبب الاسباب کے در پر جاکر بیٹھ گئے اور اپنے دل کی بات مخفی طور پر ان سے کہہ دی تاکہ اس آخری عمر میں اولاد طلب کرتے ہوئے کوئی ان کی ہنسی نہ اڑائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کی بابت ارشاد فرمایا: إِذْنَادَىٰ رَبَّهُ نداء ا خفيًا (مریم - ۳) یعنی جب انہوں نے اپنے رب کو چپکے سے پکارا تو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ ایک ہونہار جانشین حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت سنائی۔

لفظی تکلّفات سے گریز کرنا

جیسا کہ معلوم ہوا دعا اصلا دل کی توجہ اور باطن کے عجز وانکساری کا نام ہے اور الفاظ اس اندرونی کیفیت کے اظہار کا ایک ذریعہ ہیں اور اس کیفیت کا کماحقہ اظہار اسی صورت میں ممکن ہے، جب کہ کلام دل کی گہرائی سے نکلے اور وہ ہر طرح کے تکلف اور آورد سے خالی ہو۔ اگر انسان لسانی تکلفات سے کام لینے لگے تو وہ اس کی پر پیچ وادیوں میں بھٹکتا رہ جائے گا اور دل کی توجہ معبود سے ہٹ جائے گی اور دعا کی اصلی روح نکل جائے گی۔ اسی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے بتکلف سجع کی رعایت کیساتھ دعا کرنے سے منع فرمایا ہے (۱) البتہ اگر بلا تکلف سجع و قافیہ کی عایت کیساتھ الفاظ زبان پر جاری ہو جائیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول دعائیں اسی قبیل سے ہیں۔

دعاء ماثورہ کا التزام

بہ قول امام غزالی متوفی (۵۰۵ھ) اللہ تعالیٰ کے حضور پر ہر کس و ناکس کو اپنی ضرورت، ادب اور سلیقہ کیساتھ پیش کرنے کا ہنر اور ملکہ نہیں ہوتا اور بعض مرتبہ ایسی چیز کا مطالبہ کرنے لگتا ہے جس میں بے ادبی کا عنصر پیدا ہو جاتا ہے، اس لئے دعاء ماثورہ کا التزام کرنا چاہئے (۲) کیوں کہ انبیاء سے بڑھ کر کوئی خدا کا مقام شناس نہیں ہو سکتا اور نہ اللہ کے علو مقام کی رعایت کے ساتھ اپنی التجا پیش کر سکتا ہے۔

---

(۱) بخاری ۲/ ۹۳۸ (۲) احیاء علوم الدین ۱/ ۳۶۳

(۱۱) دعائیہ کلمات کو تین تین بار کہنا

دعائیہ کلمات کو تین تین بار کہنا مسنون اور پسندیدہ ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ دعا اور استغفار کے کلمات تین تین بار کہتے تھے۔(۱)

(۱۲) کس چیز کی دعا مانگی جائے؟

قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے مومن اور کافر کی علیحدہ علیحدہ ذہنیت اور اس کے انداز فکر پر روشنی ڈالی ہے کہ ایک مومن کافر کے برعکس دنیا کو ایک عارضی قیامگاہ اور دار الامتحان تصور کرتا ہے، اس کی اصل نظر اپنی منزل مقصود یعنی اخروی زندگی پر ہوتی ہے، دنیا کے اندر وہ سارا کام اسی نظریہ کے تحت انجام دیتا ہے، اسکی سب سے بڑی خواہش اور تمنا یہی ہوتی ہے کہ کسی طرح اس دار امتحان سے صحیح و سلامت گزر جائے، ہدایت باری تعالیٰ اس کی دستگیری کرتی رہے اور ایمان پر ہی خاتمہ نصیب ہو جائے اور اسی کی وہ اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتا ہے۔ اگر کبھی وہ دنیا کے لئے دعا کرتا بھی ہے تو اسی مقصد اصلی کی تکمیل کے لئے، دنیا کو اصلی وطن تصور کرتے ہوئے وہ ایسی دعا نہیں کرتا۔ سورہ فاتحہ کے اندر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو دعا کا طریقہ سکھلایا ہے جیسا کہ گزر چکا اور "اهدنا الصراط المستقيم" کے ذریعہ اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز مانگی جائے تو اصل میں اخروی زندگی کو پیش نظر رکھا جائے مثلاً اللہ کے بتائے ہوئے سیدھے راستے پر جمے رہنے کی دعا مانگی جائے۔

(۱۳) کس چیز کی دعا نہ مانگی جائے؟

کسی بھی ایسی چیز کی دعا نہ مانگی جائے جو اسلامی تعلیم سے میل نہ کھاتی ہو، اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں۔ بہت سے نادان اس کا خیال نہیں کرتے اور کرکٹ یا فٹ بال وغیرہ کے کھیل میں کسی ٹیم کی کامیابی کی دعا مانگتے ہیں، ایسی دعا کرنا ممنوع ہے ایسے ہی کچھ لوگ غصہ میں آکر اپنی ہی ذات کو یا کسی اور کو بد دعا کر دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایسے وقت میں اپنے آپ کو قابو میں رکھنا چاہئے مبادا وہ قبولیت کی گھڑی ہو اور وہ بد دعا قبول ہو جائے اور بعد میں کف افسوس ملنا پڑے۔(۲)

---

(۱) ابو داؤد ۱/ ۲۱۳ (۲) ابو داؤد ج اص ۲۱۴

(۱۴) دوسرے سے پہلے اپنے لئے دعا کرنا

دعا کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جب کسی دوسرے کے حق میں دعا کرنی ہو تو پہلے اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے مانگے، اس کے بعد دوسرے کے لئے، اگر صرف دوسرے کے لئے مانگے گا تو اس کی حیثیت صرف سفارش کی ہوگی، محتاج اور سائل کی نہ ہوگی، حالانکہ دعا میں اپنے آپ کو محتاج اور فقیر ظاہر کرنا مقصود ہے اور کامل عبدیت کا بھی یہی تقاضا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی دوسرے کے لیے دعا کرنا چاہتے تو پہلے اپنے لئے مانگتے تھے پھر دوسرے کے لیے۔ (۱)

نیز قرآن کریم میں اہل ایمان کی دعا ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَ لِاِخْوَانِنَا الَّذِیْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِیْمَانِ وَ لَا تَجْعَلْ فِیْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَا اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (والحشر ۱۰)

اے ہمارے رب! ہمیں بھی معاف فرما اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے۔ اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق و رحیم ہیں۔

(۱۵) اپنے چھوٹوں سے دعا کی درخواست کرنا

دعا ایک ایسی چیز ہے کہ بڑوں کو بھی اپنے چھوٹوں سے درخواست کرنی چاہئے، بالخصوص اس وقت جب کہ وہ کسی مقبول عمل یا مقدس مقام کا ارادہ کر رہا ہو جیسے جہاد، حج و عمرہ وغیرہ۔ خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے عمرہ کی نیت سے مکہ مکرمہ جانے کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی، تو آپ نے مجھے اجازت مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ بھائی ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا، بھول نہ جانا حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ نے مجھے مخاطب کر کے یہ بھائی کا جو کلمہ کہا اگر اس کے عوض ساری کائنات مجھے دیدی جائے تو بھی میں قبول نہ کروں گا۔ (۲)

(۱۶) دعا کی قبولیت کا یقین کرنا

دعا کرتے وقت دل میں یہ یقین ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرمائیں گے۔ بے یقینی

---

(۱) ترمذی ۲/۱۷۶ (۲) ابوداؤد ۱/۲۱

کی کیفیت اس بات کی دلیل ہے کہ دل کی توجہ پورے طور پر اللہ کی جانب نہیں ہے اور دعا کی روح مفقود ہے اور ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ اس دعا کی جانب التفات نہیں فرماتے۔

حدیث شریف میں ہے کہ تم اس کیفیت کے ساتھ اللہ سے دعا کرو کہ تمہیں قبولیت کا یقین ہو اور یہ بات خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ غافل دل کی دعا قبول نہیں فرماتے (۱) نیز حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انا عند ظن عبدی بی، یعنی بندہ مجھ سے جیسی امید کرتا ہے میں اسی کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ کرتا ہوں (۲)

(۱۷) دعا کی قبولیت کے متعلق عجلت نہ کرنا

اللہ تعالیٰ حکیم ہیں، ان کا کوئی بھی کام حکمت و مصلحت سے خالی نہیں ہوتا، بندوں کی دعائیں دیر سویر ضرور قبول فرماتے ہیں، البتہ اگر بندہ بے صبری کرنے لگے اور دعا کی قبولیت میں عجلت کا مظاہرہ کرنے لگے تو یہ دربارِ خداوندی میں بے ادبی تصور ہوگی اور ایسی دعا رد کردی جائیگی۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر ایک کی دعا مقبول ہوتی ہے، جب تک وہ یہ نہ کہے کہ میں نے دعا کی پر وہ قبول نہ ہوئی (۳) یعنی بندہ اس جلد بازی اور مایوسی کی وجہ سے قبولیت کا استحقاق کھو بیٹھتا ہے۔ بندہ کی شان یہ ہونی چاہئے کہ وہ ہمیشہ اسی کے در کا فقیر بنا رہے اور مانگتا رہے اور دل میں یہ یقین جاگزیں ہو کہ مانگنے کا صرف یہی ایک دروازہ ہے، مجھے جو کچھ ملا ہے یہیں سے ملا ہے اور آئندہ جو کچھ ملے گا یہیں سے ملے گا، دینے والا داتا ہے وہ محروم نہیں کرے گا خواہ آج دے یا کل یا تھوڑے اور انتظار کے بعد۔ یہ یقین اگر قلب میں راسخ ہو جائے تو بظاہر چاروں طرف تاریکی اور مایوسی ہو، اسباب کے سارے دروازے مسدود ہوں، کسی طرف سے امید کی کوئی کرن نظر نہ آتی ہو، حالات نامساعد ہوں، مگر اس کے لیے خدا کی رحمت اس گوشہ سے نمودار ہوتی ہے جہاں سے اس کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا اور اس شان سے ظاہر ہوتی ہے کہ اسباب وظواہر کے غلام اسے دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔

(۱۸) ناجائز اور حرام چیزوں سے پرہیز کرنا

اللہ کی ذات پاک ہے وہ پاکی کو پسند کرتا ہے، اس کے دربار میں حاضری کے وقت انسان کا ظاہر اور باطن دونوں پاک ہونا چاہئے۔ باطن کی پاکی سے مراد یہ ہے کہ وہ ناجائز چیزوں سے

---

(۱) ترمذی ۲/۱۸۶ (۲) مسلم ۲/۳۴۳ (۳) ترمذی ۲/۱۷۶

پرہیز کرے، کھانے، پینے، پہننے، اور رہنے وغیرہ میں حلال چیزوں کو استعمال کرے۔ انسان دعا کرتے وقت خواہ بظاہر کتنی ہی عاجزی اور درماندگی کا اظہار کرے اور قبولیت کی گھڑی کی رعایت کرے اگر ناجائز اور حرام چیزوں سے دور نہیں رہتا تو اس کی دعا قبول نہیں کی جاسکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگو! اللہ تعالیٰ پاک ہے وہ صرف پاک ہی کو قبول کرتا ہے، اس سلسلہ میں اس نے جو حکم اپنے پیغمبروں کو دیا ہے وہی حکم اپنے مومن بندوں کو بھی دیا ہے پیغمبروں کے متعلق ارشاد ہے کہ اے رسولو! تم پاک اور حلال غذا استعمال کرو اور عمل صالح انجام دو مجھے تمہارے اعمال کی خوب خبر ہے اور اہل ایمان کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اے ایمان والو! ہمارے رزق میں سے حلال اور پاکیزہ رزق کھاؤ۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی ایک لمبا سفر طے کر کے آتا ہے۔ اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں، جسم اور کپڑوں پر گردو غبار جمے ہوئے ہیں اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کے دعا کرتا ہے کہ اے میرے رب! اے میرے پروردگار! اور حالت یہ ہے کہ اس کا کھانا حرام، اس کا پینا حرام، اس کا لباس حرام حتی کہ اس کی نشوونما بھی حرام غذا سے ہوئی تو ایسے آدمی کی دعا کیسے قبول ہوسکتی ہے(۱)

آداب دعا میں یہ کیفیت بنیادی حیثیت کی حامل ہے، یعنی کسی عمارت کی تعمیر میں جو حیثیت بنیاد کی ہے، جس پر ساری عمارت کی بقا موقوف ہے وہی حیثیت تمام آداب دعا میں اس باطنی کیفیت کی ہے۔ اگر یہ مفقود ہو تو گو تمام آداب کی رعایت کی جائے تاہم وہ حدیث مذکور کی روشنی میں قبول نہیں ہوگی۔

آج اگر ہم اپنی عملی زندگی کا جائزہ لیں اور اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح واشگاف ہو جائے گی کہ ہماری دعاؤں کے قبول نہ ہونے کا اصل راز کیا ہے؟ اولاً تو آداب دعا کی رعایت کرنے میں کوتاہی ہوتی ہے، دوم اگر بڑی حد تک رعایت بھی کر لیتے ہیں تو خشوع وخضوع کی کیفیت پیدا نہیں ہو پاتی اور اگر کبھی یہ کیفیت پیدا ہو بھی جاتی ہے مگر حرام اور ناجائز مال سے پرہیز نہیں کرتا تو ایسی صورت میں مکمل تذلل، عجز اور تابعداری کا رنگ کہاں پایا گیا اور پھر دعا کی قبولیت کی امید کیونکر کی جاسکتی ہے؟ دعا کے اندر اس کی "روح" پیدا کیجئے پھر دیکھئے کہ وہ دعا کیسے قبول نہیں ہوتی؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان رحیمی

---

(۱) مسلم ۱/۳۲۶

بندوں سے پکار پکار کر کہے کہ ادعونی استجب لکم، مجھ سے مانگو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا اور جب بندہ اس سے کچھ مانگے تو وہ متوجہ نہ ہو؟

دعا قبول ہونے کا مطلب

بہت سے ناواقف لوگ قبولیت دعا کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ بندہ جو کچھ اللہ سے مانگے وہ مل جائے، اگر وہ چیز نہ ملے تو دعا قبول نہ ہوئی، یہ بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ اللہ کی شان رحیمی کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ جب اس کے حضور آداب کا پاس ولحاظ کرتے ہوئے اپنا دست سوال دراز کردے تو وہ اسے خالی ہاتھ نہ لوٹائے، مگر بندے کا علم بیحد ناقص ہوتا ہے، وہ نہیں سمجھتا کہ کیا چیز میرے حق میں بہتر ہے اور کیا چیز مضر، بھولے بچوں کی طرح بسا اوقات وہ ایسی چیز بھی طلب کرنے لگتا ہے جو اس کے حق میں سودمند ثابت نہیں ہوسکتی۔

البتہ اللہ تعالیٰ حکیم ہیں، وہ خوب سمجھتے ہیں کہ بندہ جو چیز مانگ رہا ہے وہ اسے نفع پہونچائے گی یا فتنہ کا سبب بنے گی اور اسے اسی وقت دینا مناسب ہے یا اس کے اندرونی مرض کے ختم ہو جانے پر تھوڑی تاخیر سے، اس لیے بندہ جو کچھ مانگے اسے فوراً عطا کردینا حکمت خداوندی کے خلاف ہے، بلکہ وہی چیز دی جاتی ہے جو بندہ کے حق میں بہتر اور اس کی فلاح وکامرانی کا سبب ہو، چنانچہ کبھی تو اس کی مطلوبہ مراد ہی پوری کردی جاتی ہے، کبھی وہ مآل کے اعتبار سے کسی نقصان دہ چیز کا مطالبہ کرتا ہے تو وہ نہ عطا کر کے اس کے بدلہ آئندہ آنے والی کوئی بڑی مصیبت اس سے دور کردی جاتی ہے، کبھی ۔ ۔ ے پاس اعمال صالحہ کا ذخیرہ نہیں ہوتا تو اس دعا کے بدلہ اعمال صالحہ کے اندر اضافہ فرما کر آخرت کی مشقت کم کردی جاتی ہے۔

قبولیت کی اس آخری صورت کی بابت حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ جس بندہ نے بہت سی ایسی دعائیں کی ہوں گی جو بظاہر دنیا میں قبول نہ ہوئی ہوں گی قیامت کے دن جب وہ اپنی دعاؤں کے بدلہ میں اپنے اعمال صالحہ کا ذخیرہ دیکھے گا تو بے اختیار اس کی زبان سے نکل پڑے گا کہ اے کاش دنیا میں میری کوئی بھی دعا مقبول نہ ہوئی ہوتی اور ہر دعا کا ثمرہ یہیں ملتا۔(۱)

خلاصہ یہ کہ قبولیت دعا کا مطلب یہ ہے کہ بندہ کی کوئی بھی دعا رائیگاں نہیں جاتی، اس کا اجر اللہ رب العزت اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق ضرور عطا فرماتے ہیں، خواہ دنیا میں یا آخرت

---

(۱) کنز العمال ۲/۵۷

میں، ہمارا کام ہے ہاتھ پھیلا کر گدائی کرنا، ان کا کام ہے جھولیاں بھر دینا۔ حدیث شریف میں اس کی پورے طور پر وضاحت کر دی گئی ہے۔ حضرت ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مؤمن بندہ کوئی دعا کرتا ہے جس میں کوئی گناہ کی بات نہ ہو اور نہ قطع رحمی ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکو تین چیزوں میں سے کوئی ایک چیز ضرور عطا ہوتی ہے، یا تو اس نے جو مانگا ہے وہی اس کو ہاتھ کے ہاتھ عطا فرما دیا جاتا ہے، یا اس کی دعا کو آخرت میں اس کے لئے ذخیرہ بنا دیا جاتا ہے، یا آنے والی کوئی مصیبت یا تکلیف روک دی جاتی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ تب تو ہم خوب دعا کریں گے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ بھی خوب عطا کرے گا۔ (مسند احمد ۳/ ۱۸)

سحر خیزی - ایک عظیم نعمت

کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

مولانا محمد عبد المنان صدیقی سبیلی

(ریسرچ اسکالر عثمانیہ یونیورسٹی)

صبح سویرے بیدار ہونا ایک عظیم نعمت اور بیش بہا دولت ہے۔ علی الصبح اٹھنا انسان کو چاق وچوبند، مستعد اور خوش و خرم رکھتا ہے۔ یہ بہت ہی اچھی عادت ہے۔ صبح خیزی تمام شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والوں کے لئے ضروری اور لازمی ہے۔

صبح سویرے نرم بستر اور میٹھی نیند کو چھوڑ کر اٹھنا قدرے بار معلوم ہوتا ہے، مگر اتنا مشکل ترین بھی تو نہیں ہے، البتہ اس کیلئے عالی حوصلگی، بلند ہمتی، عزم و ارادہ کی پختگی اور جذبۂ صادق چاہئے۔ علامہ اقبالؒ یورپ میں لکھی گئی ایک غزل میں اپنے بارے میں فرماتے ہیں ؎

مساتانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آداب سحر خیزی

علامہ اقبالؒ "جوابِ شکوہ" میں خالق کائنات کی جانب سے بندۂ مؤمن کو خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے ہاں نیند تمہیں پیاری ہے

صبح جلد بیدار ہونا سب کے لئے یکساں مفید اور فائدہ مند ہے، بالخصوص طالب علموں، محنت کش افراد اور تجارتی کاروبار کرنے والوں کے لئے تو صبح سویرے اٹھنا ہر اعتبار سے نفع بخش ہے۔ صبح گاہی سے زندگی کی باغ و بہار اور حقیقی خوشیاں اور مسرتیں حاصل کی جاسکتی ہیں۔ جو شخص علی الصبح اٹھنے کا عادی ہے دیر تک سونے والوں کے مقابلہ میں بہت سے امور انجام دے سکتا ہے۔

کامرانی تو اسی کے پاؤں چومے گی طفیل
عجز سے سجدہ میں جو وقت سحر گیر جائے گا

اس سلسلہ میں ایک مفکر کا کہنا ہے کہ وہ شخص جو دیر سے اٹھتا ہے، وہ اپنے امور کی انجام دہی

کے دوڑ میں پیچھے رہ جاتا ہے اور ایسا شخص اپنے کاموں میں سبقت نہیں لے جاسکتا۔ دیر سے اٹھنے والا شخص ایک قسم کی سستی و کاہلی، بار اور بوجھ محسوس کرتا ہے اور ایسے شخص کی طبیعت کا بوجھ مشکل سے دور ہوتا ہے، وہ اپنا کام مقررہ وقت پر انجام نہیں دے سکتا۔ اسی طرح دن بھر دیر سے اٹھنے کا اثر باقی رہتا ہے۔ یہ بھی ایک مسلمہ امر ہے کہ آدمی شہرت اور ترقی کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ اس کے اندر صبح میں جلد اٹھنے کی عادت نہ ہو۔ دنیا کے تمام بڑے اور نامور لوگ سب صبح میں جلد اٹھنے کے عادی تھے اور اسی کی بدولت ہی وہ اپنے بلند مقام و مرتبہ کو پہنچ سکے ہیں۔

بقول علامہ اقبال:

عطار ہو رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو — کچھ ہاتھ نہیں آتا، بے آہ سحر گاہی
اسی کشمکش میں گزریں میری زندگی کی راتیں — کبھی سوز و ساز رومی، کبھی پیچ و تاب رازی

صبح خیزی سے صحت و تندرستی، مال و دولت، ذہانت و عقلمندی کی دولت حاصل ہوتی ہے، پس جس کسی کو یہ دولت و نعمت حاصل ہو جائے تو اسے سب کچھ حاصل ہو گیا۔

واقف ہو اگر لذت بیداری شب سے — اونچی ہے ثریا سے بھی یہ خاک پر اسرار

صبح خیزی کی دولت ان لوگوں کے ہاتھ نہیں آتی جو نیند سے بہت زیادہ پیار و محبت کرتے ہیں اور سوتے رہنا ہی ان کا حسین مشغلہ ہے۔ نیند سے بہت زیادہ محبت رکھنے والا، صبح خیزی کی دولت سے محروم ہی رہتا ہے۔

ہر رات کے پچھلے حصہ میں کچھ دولت لٹتی رہتی ہے
جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے، جو جاگتا ہے وہ پاتا ہے

زیادہ سونے والے نفس کے غلام ہوتے ہیں اور نفس و شیطان ان پر غالب آجاتا ہے۔ ایک سنجیدہ نصب العین رکھنے والا شخص کبھی بھی غفلت کی نیند نہیں سو سکتا۔

شب کی بڑھتی ہوئی تاریکی میں — طالب نور سحر ہیں کتنے؟

کہا جاتا کہ ایک شخص جوانی میں نیند کا غلام تھا۔ ویسے بھی جوانی میں نیند بہت زیادہ آتی ہے۔ اس بری عادت سے چھٹکارا پانے کے لئے اس نے اپنے نوکر سے کہا کہ میں ہر روز تمہیں انعام دوں گا اگر وہ اسے صبح سویرے نیند سے بیدار کر دے۔ دوسرے دن جب نوکر نے اسے میٹھی نیند سے جگایا تو اسے گالیاں سننی پڑیں۔ تیسرے دن نوکر نے اس کام کے لئے فوج کی خدمات حاصل

کیں۔ مالک نے ایسا ہی سخت و ست کہا، لیکن نوکر برابر کام پر لگا رہا۔ آخر کار مالک نے اس بری عادت پر قابو پالیا اور وہ صبح میں جلد اٹھنے والا بن گیا۔ وہ اپنے نوکر کا شکر گذار ہوا اور نوکر کو انعام و اکرام سے نوازا۔

گراں بہا ہے ترا گریۂ سحر گاہی　　اسی سے ہے ترے نخل کہن کی شادابی

صبح سویرے اٹھنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی رات میں جلد سو جائے۔ رات میں جلد سونے سے نیند کا کوٹہ بھی مکمل ہو جائیگا اور وہ صبح سویرے اٹھنے کے موقف میں رہے گا۔ نیند قدرت کی ایک عظیم نعمت ہے اور جسمانی و ذہنی ترقی کے لئے ایک ٹانک ہے۔ ان لوگوں سے نیند کی اہمیت اور قدر و قیمت دریافت کیجئے جو نیند آنے کے لئے مختلف خواب آور گولیاں استعمال کرتے ہیں۔

صبح سویرے بیدار ہونا باعث برکت ہے۔ نبی کریم ﷺ کی دعا ہے اللھم بارك لامتی فی بکورھا، اے اللہ! میری امت کی صبح میں برکت عطا فرما۔ ایک صحابی رسول فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی یہ برکت دیکھی ہے کہ میں صبح سویرے نماز فجر کے بعد اپنے کاروبار میں مصروف ہو جاتا تھا، اس سے میری تجارت نے فروغ پایا اور دولت میں اضافہ ہوا۔

فجر کی نماز گویا اللہ تعالی کی طرف سے صبح میں جلد اٹھنے کی تلقین ہے۔ اللہ تعالی چاہتے ہیں کہ اس کے بندے صبح کی بے شمار نعمتوں سے مالا مال ہوں، نسیم سحر ان کے حصے میں آئے۔ کائنات کی تمام مخلوق، جاندار، چرند و پرند صبح سویرے اٹھ کر اپنے اپنے انداز میں اپنے پیدا کرنے والے خالق و مالک کو یاد کرتے ہیں اور اس کی تسبیح و تعریف بیان کرتے ہیں۔

سحر کو باغ میں پڑتی ہے اس لئے شبنم　　کہ پتہ پتہ کرے یاد باوضو تیری

دیر تک یعنی سورج نکلنے تک سوتے رہنا قانون قدرت سے بھی بغاوت ہے اور اپنے آپ سے بھی ناانصافی ہے۔ پورے دن ایسے شخص کی منزل کھوئی ہو جاتی ہے۔

منزل نہ ملے گی اسے ڈھونڈنے سے کہیں بھی　　سورج کے نکلنے پہ جو بستر سے اٹھے گا

تیری سزا ہے نوائے سحر سے محرومی　　مقام شوق و سرور و نظر سے محرومی

بہر حال ہمیں صبح میں جلد اٹھنے کی عادت ڈالنی چاہئے، کیوں کہ یہ دولت صبح گاہی روپے پیسے سے خریدی نہیں جا سکتی۔ یوں بھی صبح کا وقت چہل قدمی اور ورزش جسمانی کی لئے بہت مفید ہے۔ "مارننگ واک" کو تمام ڈاکٹروں نے نہایت ضروری قرار دیا ہے اور بعض بیماریوں میں تو یہ

دوااور علاج کا درجہ رکھتی ہے۔ جتنے سائنس داں مفکر ہیں، اہل علم وقلم اور اہل دل گزرے ہیں سبھوں نے سحر کے وقت کا ہی استعمال کیا ہے۔ صبح جلد جاگے بغیر دنیا میں کوئی بھی شخص کوئی بڑا کارنامہ انجام نہیں دے سکتا۔

صبح خیزی اور سحر گاہی اور شب بیداری کے سلسلے میں علامہ اقبالؒ کے چند اشعار پیش خدمت ہیں:

نہ چھوڑ اے دل .فغان صبح گاہی ☆ اماں شاید ملے "اللہ ھو احد" میں
یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی ☆ کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقامِ پادشاہی
تری دنیا جہان مرغ و ماہی ☆ مری دنیا فغان صبح گاہی
جوانوں کو میری آہ سحر دے ☆ تو ان شاہین بچوں کو بال و پر دے

☆

خال خال اس قوم میں ابتک نظر آتے ہیں وہ — کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم وضو

اگرچہ سحر خیزی کے لذت آشنا علامہ اقبال کا درج ذیل شعر آپ اوپر پڑھ چکے ہیں مگر جی چاہتا ہے کہ میں اپنے اس مختصر مضمون کو ان کے اسی معنی خیز شعر پر ختم کروں، جس میں تاریخی تسلسل کے حوالہ سے اہم پیغام ہے:

عطار ہو ، رومی ہو ، رازی ہو ، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

محمد رضوان القاسمی

نظیر کی بے نظیر شاعری

آدمی - مختلف جلوے

اردو شاعری میں نظیر اکبر آبادی کو اونچا اور بلند و بالا مقام حاصل ہے۔ انہوں نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی کلیات میں غزل، نظم، قصیدہ، مثنوی، رباعی، مسدس، ترجیع، بند، مستزاد بھی کچھ ہے۔ نظم میں خصوصیت کے ساتھ نئی راہ دکھائی ہے۔ نظم میں ایجادی اور اختراعی حیثیت سے ان کی یہی وہ دکھائی ہوئی راہ ہے جس پر بعد میں حالی اور شبلی پر وقار انداز میں مضبوط قدموں کے ساتھ چلے ہیں۔

پہلے لوگ یہ سمجھتے رہے کہ نظیر عوامی شاعر ہیں۔ عوام کی ہر مجلس میں پہنچ کر، ان کے ہر بھیس میں آکر، انہیں جیسا رنگ و روپ اختیار کر کے شاعری کرتے ہیں۔ وہ بچوں میں بچے، جوانوں میں جوان، بوڑھوں میں بوڑھے ہیں، اسی لئے شروع میں اصحاب فن اور اہل کمال ان کی شاعری کی طرف زیادہ متوجہ نہیں ہوئے، مگر بعد میں غلط فہمی کا ازالہ ہوا اور پتہ چلا کہ عوام کے ہی نہیں، خواص کے بھی شاعر ہیں۔ بات اصل یہ ہے کہ کوئی آدمی اگر اپنی فلسفیانہ باتوں کو فلسفیانہ انداز میں بیان کرتا ہے تو لوگ اسے فلسفی سمجھتے ہیں، مگر ایک شخص فلسفیانہ باتوں کو عام فہم اسلوب میں پیش کرتا ہے تو لوگ اسے فلسفی نہیں سمجھتے ہیں۔ نظیر کے بارے میں رائے قائم کرتے ہوئے لوگوں کو اسی عام سوچ کی وجہ سے دھوکا لگا ہے، تاہم حقیقت یہ ہے کہ کسی فلسفیانہ بات کو فلسفیانہ انداز میں پیش کرنا بھی کمال ہے، مگر اس سے بڑا کمال یہ ہے کہ فلسفیانہ بات کو عام فہم اسلوب میں پیش کیا جائے۔ اس لحاظ سے یہ بڑا کمال اردو کے بڑے فلسفی شاعر نظیر حاصل تھا۔ نظیر کے بارے میں غور کی نظر اس نکتہ کو پوری طرح کھول دے گی۔

نظیر کی شاعری کا مطالعہ بتاتا ہے کہ ان کی شاعری میں نت نئے الفاظ کا ذخیرہ ہے، جدید

تعبیرات ہیں، نادر تشبیہات ہیں، معنی خیز استعارات ہیں، سادگی اور بے تکلفی ہے، رعنائی اور دل کشی ہے، طنز کا تیکھاپن ہے، ظرافت کی چاشنی ہے، آبشار کا ترنم ہے، دریا کی روانی ہے، سمندر کا تموج ہے، پھول کی مہک ہے، پنکھڑیوں کی نزاکت ہے، شبنم کی لطافت ہے، شاخ کی لچک ہے، کوئل کی کوک ہے، بلبل کی نغمہ سرائی ہے، انسانیت کا غم ہے، دکھے دل کی آہ ہے، بنسوڑوں کی واہ ہے، واعظوں کا وعظ ہے، حکیموں کی حکمت ہے، یعنی وہ سب کچھ ہے جو متنوع فکر، حساس دل، اخاذ ذہن، بیدار دماغ، تیز نگاہ، جوہر شناس، ہمدرد و غمگسار، باخبر شاعر کی شاعری میں ہونا چاہئے۔

نظیر اکبر آبادی کا نام ولی محمد ہے۔ دہلی میں پیدا ہوئے، احمد شاہ ابدالی کے وقت آگرہ چلے آئے اور محلہ تاج گنج میں سکونت اختیار کی اور یہیں آخری آرام گاہ بھی ہے۔ پیدائش کا سنہ ۱۷۲۵ء ہے اور وفات ۱۸۲۵ء۔ اس طرح عمر سو سال پائی۔ طبیعت کے چلبلا پن اور جوانی کی نیرنگیوں کے باوجود مذہب و تصوف کا غلبہ رہا۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے، آخر عمر تک بغیر عینک کے قرآن پڑھتے رہے۔ نظیر کے تذکرہ نگاروں کا بیان ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن حکیم کی آیت فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا آتی تو ہنسنے کے موقع پر بھی مسکراتے تھے، تا کہ اس آیت کی خلاف ورزی نہ ہو، اسی طرح قرآن میں واغضض من صوتک ان انکر الأصوات لصوت الحمیر ارشاد فرمایا گیا جس میں ہدایت ہے کہ اپنی آواز کو پست رکھو، بلا شبہ بری سے بری آواز گدھے کی آواز ہے۔" چنانچہ اس ہدایت ربانی کے پیش نظر انہوں نے اپنی آواز بھی پست کر دی تھی۔ ان کی زندگی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خوش نویسی میں ماہر تھے۔ معلمی پیشہ تھا، تاہم کوئی ایسا پیشہ نہیں جس کو انہوں نے اپنایا نہ ہو۔ طبیعت اور مزاج کی یہی وہ ہمہ رنگی ہے، جس سے ان کی شاعری کی شمع ہر رنگ میں جلتی نظر آتی ہے۔ سیر تماشوں، موسموں، پرندوں، جانوروں، انسان کی مختلف حیثیتوں، مناظر قدرت، مظاہر کائنات: ہر ایک کو انہوں نے موضوع بنایا ہے اور پرکیف اور دل آویز نظمیں لکھی ہیں۔ نظیر اپنے مسلک کے لحاظ سے شیعہ امامیہ تھے، وہ ایک ملنسار، بااخلاق اور وسیع المشرب انسان تھے۔ ہر مذہب وملت کے لوگوں کے لئے ان کے دل میں بے پناہ پیار تھا، اس لئے ہندو مسلمانوں کے مذہبی تہواروں، میلوں ٹھیلوں پر بھی ان کی نظمیں موجود ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ نظیر نے دو لاکھ سے زیادہ اشعار کہے ہیں، ان میں سے بیشتر ضائع ہو گئے، اس وقت جو ان کا مجموعۂ کلام دستیاب ہے، وہ کم وبیش چھ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔

نیاز فتح پوری کی طبیعت کا عام رنگ بے نیازی کا ہے، مگر نظیر کے حق میں نیاز کی رائے نہایت نیاز مندانہ ہے۔ وہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"نظیر کی کلیات ایک ایسا نایاب ذخیرہ ہے کہ زندگی کا کوئی پہلو، معیشت و معاشرت کا کوئی انداز اور احساسات و تاثرات کا کوئی منظر ایسا نہیں ہے جو اس میں موجود نہ ہو۔ امیر و غریب، شاہ و گدا، زاہد و رند، ہندو مسلمان، گبر و ترسا: علاحدہ علاحدہ سب کی دلچسپی کا سامان اس میں موجود ہے اور عالم محسوسات کی شاید ہی کوئی چیز ایسی ہو جس کا ذکر کسی نہ کسی نہج سے نظیر نے نہ کیا ہو۔ مشاغل زندگی، ضروریات انسانی، مظاہر تمدن میں مقطع اور بھنوز کی قسم کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جسے نظیر نے چھوڑ دیا ہو اور جس پر پورے اہتمام شاعرانہ کے ساتھ قلم نہ اٹھایا ہو۔ دیکھا جائے تو نظیر اپنی خصوصیات کے لحاظ سے ہندوستان کا عجیب و غریب شاعر تھا، جس میں کبیر کے اخلاق اور خسروی ذہانت کا نہایت دل کش امتزاج پایا جاتا تھا، لیکن افسوس ہے کہ وہ بہت قبل از وقت پیدا ہوا۔ اس زمانے کا شاعر تھا اور اسی زمانے میں اسے ہونا چاہئے تھا۔"

نظیر کی زندگی اور شاعری کے اس اجمالی تذکرے کے بعد آیئے دیکھیں کہ نظیر آدمی کو کس کس رنگ میں اور کس کس پہلو سے دیکھتے ہیں، کیا ہدایات دیتے ہیں، نصیحتیں کیا فرماتے ہیں، توقعات کیا قائم کرتے ہیں۔ کیوں کہ آدمی ان کی نظر میں خدائی فرمان کے بموجب مخلوقات میں سب سے زیادہ اشرف ہے۔ خالق نے اسے اعزاز و تکریم کا تمغہ عطا فرمایا ہے۔ قرآنی نظریہ کے حامل نظیر یہ بھی سمجھتے ہیں کہ آدمی بہترین ساخت پر پیدا کیا گیا ہے، اسے فکر و فہم اور علم و عقل کی وہ بلند پایہ قابلیتیں بخشی گئی ہیں جو کسی دوسری مخلوق کو نہیں بخشی گئی ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اس کائنات میں آدمی کی حیثیت مخدوم کی ہے، ذرہ سے لے کر آفتاب تک ہر چیز اس کی خدمت پر مامور ہے، مگر یہ مامور ہے اللہ کی عبادت پر۔ عبادت ہی میں آدمی کی عظمت کا راز پوشیدہ ہے۔ ہر زمانہ، ہر حالت، ہر صورت میں آدمی کو اپنی حیثیت اور ذمہ داری کو سمجھنا چاہئے، اپنی تندرستی اور آبرو کا خیال رکھنا چاہئے اور آدمی کو رب کا بندہ بن کر رب کی بارگاہ میں ہمیشہ اپنے ہاتھوں کو پھیلائے رکھنا چاہئے۔ انھوں نے اپنی ایک طویل نظم "آدمی نامہ" میں یہ پیغام دیا ہے کہ آدمی، آدمی ہے، اس حیثیت سے اس کے درمیان کسی طرح کا امتیاز ٹھیک نہیں ہے۔

آدمی کا پہلا دور بچپن ہے۔اس سلسلہ میں ان کی نظم "در تعریف طفلی" یا "طفلی نامہ" کے نام سے بہت خوب ہے۔چھ بند میں سے دو بند ملاحظہ فرمائیے جس میں بچپن کی زندگی کی معصومیت اور بے نیازی، مست و مگن ہو کر کھیلتی نظر آتی ہے۔

جو ان کو دو سو کھالیں ، پھیکا ہو یا سلونا　　　ہیں بادشاہ سے بہتر ، جب مل گیا کھلونا
جس جا پہ نیند آئی پھر واں ہے ان کو سونا　　　پروانہ کچھ پلنگ کی ، نے چاہئے بچھونا
بھونپو کوئی بجا لے ، پھرکی کوئی نچا لے
کیا عیش لوٹتے ہیں ، معصوم بھولے بھالے

یہ بالے پن کا یارو عالم عجب بنا ہے　　　یہ عمر وہ ہے اس میں جو ہے سو بادشاہ ہے
اور سچ اگر یہ پوچھو تو یہ بادشاہ بھی کیا ہے　　　اب تو نظیر میری سب کو یہی دعا ہے
جیتے رہیں سبھوں کے آس و مراد والے
کیا عیش لوٹتے ہیں معصوم بھولے بھالے

دوسرا دور جوانی کا آتا ہے۔لوگ کہتے ہیں کہ جوانی دیوانی ہوتی ہے۔یہ سنبھلنے کا زمانہ بھی ہوتا ہے اور بگڑنے کا دور بھی۔اس خطرناک مرحلہ پر جس نے اپنے آپ کو بچالیا اس کی کشتی ساحل مراد سے ہم کنار ہوگئی، وگرنہ بھنور میں پھنستی چلی جائے گی۔نظیر جوانی کا تذکرہ باندازِ رنگ ترنگ کرتے ہیں، مگر مقصود ان جوانوں کو گرانا نہیں سنبھالنا ہے۔پندرہ بند میں سے ایک بند پیش ہے۔

کیا عیش کے رکھتی ہے سب آہنگ جوانی　　　کرتی ہے بہاروں کے تئیں دنگ جوانی
ہر آن پلاتی ہے مئے و بھنگ جوانی　　　کرتی ہے کہیں صلح کہیں جنگ جوانی
اس ڈھب کے مزے رکھتی ہے اور ڈھنگ جوانی
عاشق کو دکھاتی ہے عجب رنگ جوانی

آدمی کی زندگی کا تیسرا دور بڑھاپا ہے، جس میں قویٰ کمزور ہو جاتے ہیں، موت اور قبر دبے پاؤں ہر لمحہ قریب ہوتی جاتی ہے۔اس موضوع پر نظیر نے بہت طویل نظم کہی ہے اور ذیلی طور پر یہ پیغام دیا ہے کہ اس مرحلہ میں لغویات کو چھوڑ کر، دنیا کے جھمیلوں سے نکلتے ہوئے فکر آخرت پر بھرپور توجہ دی جائے۔یہ وقت عیش و عشرت اور عشق و مستی کا نہیں رہتا ہے، بلکہ دوسری زندگی کا جو لامتناہی سلسلہ شروع ہونے والا ہے، اس کو بنانے اور سنوارنے کا ہوتا ہے۔یہاں چند اشعار دیئے جا رہے ہیں۔

کیا قہر ہے یارو جسے آ جائے بڑھاپا ۔۔۔ اور عیش جوانی کے تئیں کھائے بڑھاپا
عشرت کو ملا خاک میں غم لائے بڑھاپا ۔۔۔ ہر کام کو ہر بات کو ترسائے بڑھاپا
کرتے تھے جوانی میں تو سب آپ سے آچاہ ۔۔۔ اور حسن دکھاتے تھے وہ سب آن کے دل خواہ
یہ قہر بڑھاپے نے کیا آہ نظیر آہ ۔۔۔ اب کوئی نہیں پوچھتا اللہ ہی اللہ

نظیر کی نظر میں یہ ہے آدمی کا بچپن، اس کی جوانی اور اس کا بڑھاپا۔ نظیر یہ بھی کہتے ہیں کہ زندگی کا کوئی بھی دور اور کوئی بھی زمانہ ہو اور حالت کیسی بھی ہو، آدمی کو ہمیشہ اپنی حیثیت پر نظر رکھنی چاہئے۔ ''جو اپنی ذات کو پالیتا ہے، وہ اپنے رب کو پالیتا ہے۔'' یہ دراصل حدیث نبوی ''من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ'' کا ترجمہ ہے۔ اپنی ایک نظم میں انہوں نے اس عربی متن کو سرنامہ بنایا ہے اور اس سے پہلے ''آئینہ'' لکھا ہے۔ پوری نظم بڑی ہی معنی خیز ہے۔ صرف دو بند کا مطالعہ فرمائیے ؎

لے آئینے کو ہاتھ میں اور بار بار دیکھ ۔۔۔ صورت میں اپنی قدرت پروردگار دیکھ
خالِ سیاہ اور خط مشکبار دیکھ ۔۔۔ زلف دراز و طرۂ عنبر نثار دیکھ
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

باغ و چمن کے غنچہ و گل میں نہ ہو اسیر ۔۔۔ قمری کی سن صفیر، نہ بلبل کی سن صفیر
اپنے تئیں تو دیکھ کہ کیا ہے ارے نظیر ۔۔۔ ہیں حرف ''من عرف'' کے یہی معنی اے نظیر
ہر لحظہ اپنے جسم کے نقش و نگار دیکھ
اے گل تو اپنے حسن کی آپ ہی بہار دیکھ

نظیر آدمی کو تلقین کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں دی ہیں، ان پر شکر بجالانا چاہئے۔ اللہ اپنے شکر گزار بندوں پر اپنی نعمتوں کا دروازہ اور بھی کھول دیتا ہے۔ وہ کہتے ہیں ؎

یہ نعمتیں عیاں ہیں جو عالم کے واسطے ۔۔۔ رہیں گی یہ سب میاں اسی آدم کے واسطے
کچھ تن کے واسطے ہیں، کچھ اشکم کے واسطے ۔۔۔ ہیں بیش بیش کے لئے، کم کم کے واسطے
سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

میوے ہیں جتنے خشک تر اس باغ میں لگے ۔۔۔ بادام پستے داکھ چھوہارے وکھوپرے

خربوزے آم جامن ؤ لیموں چکوترے نارنگی و انار بھی کیلے و سنترے
سب خوبیاں بنی ہیں یہ آدم کے واسطے
اور دم بنا ہے آہ فقط غم کے واسطے

یہ تو نعمت کے بارے میں نظیر کا نقطۂ نظر ہے، دولت کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ اس کی محبت کو دل میں جگہ نہیں دینی چاہئے، اس کی محبت نے ہمیشہ دنیا میں فتنہ برپا کیا ہے، قارون کے خزانہ نے آخر کار اسے کچھ فائدہ نہیں پہنچایا۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ دولت کی محبت سے بخل پیدا ہوتا ہے اور بخیل آدمی اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے سے کتراتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ صفت بخالت اسے اللہ سے دور کر رہی ہے، جب کہ سخاوت کی صفت آدمی کو اللہ سے قریب کرتی ہے اور مخلوقِ خدا میں بھی وہ مقبول و محبوب ہوتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

زر کی جو محبت تجھے پڑ جاوے گی بابا دکھ اس میں تری روح بہت پاوے گی بابا
ہر کھانے کو ہر پینے کو ترساوے گی بابا دولت جو ترے یاں نہ کام آوے گی بابا
پھر کیا تجھے اللہ سے ملواوے گی بابا
جوں جوں وہ ترے مال سے عشرت میں پڑیگا تو قبر میں رہ رہ کر کفِ افسوس ملے گا
جو چاہے کوئی بولے تو پھر بس نہ چلے گا بے بس تو پڑا قبر میں حسرت سے جلے گا
دن رات تری چھاتی کو کٹواوے گی بابا
کہتا ہے نظیر اب جو یہ باتیں تجھے ہر آن گر مرد ہے عاقل تو اسے جھوٹ تو مت جان
ٹک غور سے کر گنج پہ قارون کے ذرا دھیان جیسا ہی اسے اس نے کیا خوب پریشان
ویسا ہی مزا تجھ کو بھی دکھلاوے گی بابا

بحالت دولت، اسراف اور بخالت سے منع کرتے ہیں، اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مفلسی کوئی اچھی چیز نہیں، اس سے ایک آدمی مختلف قسم کی نفسیاتی بیماری اور سماجی برائی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کو اپنے سے قریب نہیں آنے دے۔ محنت و مزدوری اور جد و جہد کے ذریعہ اپنے معاشی موقف کو مضبوط کرے۔ وہ اپنی ایک نظم میں تفصیل کے ساتھ مفلسی کی خرابیوں کو بیان کرتے ہیں۔ اس نظم کے دو بند یہ ہیں:

جب آدمی کے حال پہ آتی ہے مفلسی کس کس طرح سے اس کو ستاتی ہے مفلسی

پیاسا تمام روز بٹھاتی ہے مفلسی   بھوکا تمام رات سلاتی مفلسی
یہ دکھ وہ جانے جس پہ کہ آتی ہے مفلسی

دنیا میں لے کے شاہ سے اے یارو تا فقیر   خالق نہ مفلسی میں کسی کو کرے اسیر
اشراف کو بناتی ہے اک آن میں حقیر   کیا کیا میں مفلسی کی خرابی کہوں نظیر
وہ جانے جس کے دل کو جلاتی ہے مفلسی

اس دنیا میں آدمی، آدمی سے بغض و عداوت رکھتا ہے، نفرت و کدورت سے اپنے دماغ کو پکاتا ہے، حسد اور جلن سے اپنے سینہ کو جلاتا ہے، تھوڑی تھوڑی سی بات سے منھ پھیر لیتا ہے، ملنا جلنا کم یا ختم کر دیتا ہے۔ کبھی گھنٹوں دل آویز مسکراہٹوں اور قہقہوں کی گونج کے درمیان گفتگو ہوتی تھی، اب یک لخت یہ سلسلہ رک گیا ہے اور ہنسا بولنا چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ سب ''حسن ذات'' (وسیع ترمعنی) میں گم ہو جانے کا کرشمہ ہوتا ہے۔ نظیر اس پس منظر کو نظر میں رکھتے ہوئے شگفتہ اسلوب ، بے تکلف اور پیار بھرے انداز میں کچھ اس طرح گویا ہوتے ہیں کہ دل بھر آتا ہے اور اپنی ذات کے خول سے نکل کر خواہ مخواہ آدمی، آدمی سے ہنسنا بولنا چاہتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

اپنے غم خواروں سے کوئی آن ہنس لے بول لے   درد مندوں کا نکال ارمان ہنس لے بول لے
پھر کہاں یہ دل بری یہ شان ہنس لے بول لے   دم غنیمت ہے ارے ناداں ہنس لے بول لے
مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

اب نظیر آگے ترے رہتا ہے حاضر صبح و شام   پیار سے ہنس بول پیارے پی مئے الفت کا جام
پھر کہاں یہ دلبری یہ عیش کی باتیں مدام   کچھ نہ ہوئے گا رہے گا آخرش اللہ کا نام
مان لے کہنا مرا اے جان ہنس لے بول لے
حسن یہ دو دن کا ہے مہمان ہنس لے بول لے

آدمی سے متعلق نظیر اکبر آبادی کی ایک نظم ہے، جسکا عنوان ہے ''آدمی نامہ'' یہ سترہ بند پر مشتمل ہے۔ نظم نہایت دلچسپ اور معنی خیز ہے اور نظیر کی مشہور نظموں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ زبان سادہ، شستہ اور رواں ہے۔ پوری نظم میں تصنع، تکلف اور آورد کا کہیں سے بھی احساس نہیں ہوتا۔ نظیر کی یہ نظم دراصل تمدنی نوعیت کی ہے، جس میں وہ آدمی کو مختلف حیثیتوں سے دیکھتے ہیں

اور آدمی ہونے کے ناطے اس کے مقام و مرتبہ کو بلند و بالا بتاتے ہیں۔ بقول ذوق دہلوی:

آدمیت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ
پست ہمت یہ نہ ہووے، پست قامت ہو تو ہو

نظیر کی اس فکر انگیز اور سبق آموز نظم کے چند بند پہلے ملاحظہ فرمائیے:

دنیا میں بادشہ ہے سو ہے وہ بھی آدمی — اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی — نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے جو مانگتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

بیٹھے ہیں آدمی ہی دوکانیں لگا لگا — اور آدمی ہی پھرتے ہیں رکھ سر پہ خونچا
کہتا ہے کوئی لو، کوئی کہتا ہے لا رے لا — کس کس طرح سے بیچے ہیں چیزیں بنا بنا
اور مول لے رہا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی لعل و جواہر ہیں بے بہا — اور آدمی ہی خاک سے بدتر ہے ہو گیا
کالا بھی آدمی ہے کہ الٹا ہے جوں توا — گورا بھی آدمی ہے کہ ٹکڑا ہے چاند کا
بد شکل بد نما ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

نظیر نے آدمی نامہ میں آدمی کی مختلف تصویریں کھینچتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ آدمی اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی، مطیع و فرماں بردار بھی ہوتا ہے اور سرکش و نافرمان بھی، ہادی و رہنما بھی ہوتا ہے اور شیطان و مکار بھی۔ یہ سب آدمی کی قسمیں ہیں، سماج میں ان سب کی اپنی ایک "حیثیت عرفی" ہے۔ تاہم وہ آدمی خلق اور خالق کی نگاہ میں پسندیدہ ہے، جو اچھا اور بہتر ہے۔ وہ کہتے ہیں:

فرعون نے کیا تھا جو دعویٰ خدائی کا — شداد بھی بہشت بنا کر ہوا خدا
نمرود بھی خدا ہی کہاتا تھا برملا — یہ بات ہے سمجھنے کی آگے کہوں میں کیا
یاں تک جو ہو چکا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

یاں آدمی ہی نار ہے اور آدمی ہی نور — یاں آدمی ہی پاس ہے اور آدمی ہی دور
کل آدمی کا حسن و قبح میں ہے یاں ظہور — شیطاں بھی آدمی ہے جو کرتا ہے مکر و زور
اور ہادی رہنما ہے، سو ہے وہ آدمی

آدمی نامہ جیسی سنجیدہ نظم میں نظیر کی طبیعت کے چلبلا پن نے کہیں کہیں ظرافت کا چنپٹا پن بھی دکھایا ہے" مثلاً یہ کہ "اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں"۔ مکمل بند اس طرح ہے:

مسجد بھی آدمی نے بنائی ہے یاں میاں — بنتے ہیں آدمی ہی امام و خطبہ خواں
پڑھتے ہیں آدمی ہی قرآن اور نماز یاں — اور آدمی ہی ان کی چراتے ہیں جوتیاں
جو ان کو تاڑتا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

آدمی نامہ میں ظرافت کے ساتھ یہ طنز بھی ہے کہ آدمی مرنے کے بعد اسے نہلانے دھلانے اور کفن پہنانے کے ساتھ مردے کا کاروبار بھی وہی کرتا ہے۔

مرنے میں آدمی ہی کفن کرتے ہیں تیار — نہلا دھلا اٹھاتے ہیں کاندھے پہ کر سوار
کلمہ بھی پڑھتے جاتے ہیں روتے ہیں زار زار — سب آدمی ہی کرتے ہیں مردے کا کاروبار
اور وہ جو مر گیا ہے، سو ہے وہ بھی آدمی

نظیر، آدمی کو مفلسی سے ڈراتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اسے اپنے قریب نہیں آنے دو، اسکی قربت کا مطلب ذہن و دماغ کی اداسی، فکر و خیال کی ژولیدگی اور جسم و جان کی بربادی ہے۔ اس کے مقابلہ میں معاشی طور پر آسودگی اور خوش حالی، آدمی کے لیے فرحت بخش ہے۔ یہ فرحت بخش مرحلہ جب زندگی میں آئے تو آدمی کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتا رہے، بخالت سے دور رہتے ہوئے داد و دہش کا عادی بنے۔ ان کی ان باتوں کا اندازہ ان کی بعض نظموں (مفلسی، خدا کی دی ہوئی نعمتیں، سخاوت و عشرت، مذمت بخل، جس کا بیان پہلے آچکا ہے) کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ روپے پیسے کی محبت کو دل میں جگہ تو نہیں دینی چاہئے، لیکن اس حقیقت سے بھی صرف نظر نہیں کرنا چاہئے کہ دنیا میں روپے پیسے کی ضرورت ہر قدم پر پیش آتی ہے، یہ اگر نہ ہو تو آدمی پریشانیوں کے جال میں پھنستا چلا جاتا ہے، سوسائٹی میں بھی اسے مقام اور اعتبار حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے آدمی اپنے دین کا لحاظ اور اپنی آبرو کا خیال رکھتے ہوئے روپے پیسے کمانے کی فکر سے خالی نہ رہے۔ وہ اپنی ایک نظم "پیسے کمانے کے بیان میں" کہتے ہیں:

پیسے ہی کا امیر کے دل میں خیال ہے — پیسے ہی کا فقیر بھی کرتا سوال ہے
پیسا ہی فوج، پیسا ہی جاہ و جلال ہے — پیسے ہی کا تمام یہ دنگ و دوال ہے

پیسا ہی رنگ و روپ ہے پیسا ہی مال ہے
پیسا نہ ہو تو آدمی چرخے کی مال ہے

ایک آدمی کو اس دنیا میں اپنی جد و جہد جاری رکھنی چاہیے، اس کے بعد جو کچھ ملے اس پر صبر وقناعت سے کام لینا چاہیے۔ صبر وقناعت سب سے بڑی دولت ہے، کسی حال میں اس دولت کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیے۔ وہ لوگ جو حریص اور لالچی ہوتے ہیں، انہیں کسی طور پر بھی سکون نہیں ملتا، وہ ہمیشہ ادھیڑ بن میں مبتلا رہتے ہیں، ننانوے کے پھیر سے کبھی قدم نکلتا نہیں اور کبھی سو ہوتا نہیں۔ نظیر اپنی ایک نظم میں آدمی کو تلقین کرتے ہیں کہ اسے حرص و ہوس کے سراب سے نکل کر صبر وقناعت کی حقیقت کی طرف آنا چاہیے۔

بے صبر وقناعت ساتھ میاں سب چھوڑ یہ بینگی لوبھ بھری☆ جو لوبھ کرے اس لوبھی کی نہیں کھیتی ہوتی جان ہری
سنتوکھ توکل ہرنوں نے جب حرص کی کھیتی آن چری☆ پھر دیکھ تماشے قدرت کے اور لوٹ بہاریں ہری بھری

ایک آدمی کو خدا کے فیصلے پر مطمئن رہنا چاہیے۔ اگر ایسا کرتا تو ویسا ہوتا اور یوں کرتا تو دوں ہوتا، اس حسرت و یاس کی راہ سے آدمی کے پاس شیطان آجاتا ہے اور ہمیشہ وہ ایسے ہی خیالات اور وسوسے میں اسے الجھاتا رہتا ہے۔ ایک باخدا آدمی کا شیوہ یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنی رضا کو خدا کی رضا میں گم کردے۔ نظیر کہتے ہیں:

راضی ہیں ہم اس میں جس میں تیری رضا ہے
یاں یوں بھی واہ واہ ہے اور دوں بھی واہ واہ ہے

آدمی کے لیے آبرو اور تندرستی کی بڑی اہمیت ہے۔ شیراز کے حکیم و فلسفی شیخ سعدی اپنے خالق و مالک سے چھ چیزیں عطا کرنے کی التجا کرتے ہیں: علم، عمل، فراخ دستی، ایمان، امان اور تندرستی

اے خالق ہر بلند و پستی — شش چیز عطا بکن زہستی
علم و عمل فراخ دستی — ایمان و امان تندرستی

واقعہ ہے کہ بیماری میں کوئی چیز بھلی نہیں معلوم ہوتی اور تندرستی میں اگر سرد پانی بھی پیو تو شیر و شہد کا مزہ دیتا ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ "تندرستی ہزار نعمت ہے" جہاں تک تعلق "آبرو" کا ہے تو ایک شاعر نے پر اعتماد لب ولہجہ میں خوب کہا ہے:

عشرت مٹے ، جلال مٹے ، کرّ و فر مٹے مال و منال سارا مٹے یا کے زر مٹے
مٹ جائے سب بلا سے نہ عزت مگر مٹے اک آبرو کے جینے پہ انسان مر مٹے

تندرستی اور آبرو سے متعلق نظیر کی دو طویل نظمیں ہیں، ہر دو نظم سے ایک ایک بند ملاحظہ فرمائیے:

ادنیٰ ہو یا غریب ، تونگر ہو یا فقیر یا بادشاہ شہر کا یا ملک کا وزیر
ہے سب کو تندرستی و حرمت ہی دل پذیر جو تو نے اب کہا سو یہی سچ ہے اے نظیر
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

ہیں جہاں تک خلق میں پیر و جوان خرد و کبیر عالم و فاضل گداؤ بادشہ میرو وزیر
کیا تونگر کیا غنی کیا بے نوا اور کیا فقیر سب جہاں میں اسی نکتہ کے قائل اے نظیر
تندرستی کو نپٹ فضل الٰہی بوجھئے
آبرو سے جگ میں رہنا بادشاہی بوجھئے

آدمی کے لیے نظیر کا یہ پیغام ہے کہ وہ اپنی زندگی طاعت و عبادت میں گذارے، قرآن کی تلاوت اس کی زندگی کا محبوب عمل ہو، اپنے وقت کو ضائع نہ کرے، دنیا کی زندگی کو سنوارتا رہے۔ حدیث نبویؐ میں دنیا کو آخرت کی کھیتی (الدنیا مزرعة الآخرة) قرار دیا گیا ہے۔

نماز پڑھ کے ذرا صنع کے چمن کو دیکھ بہار باغ عنایات ذو المنن کو دیکھ
ریاضِ روح کو اور گلستانِ تن کو دیکھ نعیم و راحت و آرام و پیر ہن کو دیکھ
کہ ہیں خدا کے یہ الطاف بیکراں میاں
لبوں کو زیب دے قرآن کی تلاوت سے خبر جو ہو تجھے افضال کی بشارت سے
خوشی ہو دل کو ترے خلد کی طہارت سے بدن کا حسن بڑھا، طاعت و عبادت سے
اسی میں خوبی ہے تیری بہر مکان میاں
یہ زندگی ہے غنیمت اسے تو مفت نہ کھو خدا کا شکر بجا لا ہر اک طرح خوش ہو
یہ دنیا مزرع عقبیٰ ہے اس میں نیکی بو کہا نظیر نے جو کچھ تو یاد رکھ اس کو
اسی میں تیری سعادت کا ہے نشان میاں

بنجارہ نامہ نظیر کی معروف ترین اور مقبول ترین نظم ہے۔ اپنی اس نظم میں تمثیلاتی انداز میں

موعظت ونصیحت کی ایک دنیا بسائی ہے اور آدمی کو متوجہ کیا ہے کہ زندگی کے کسی مرحلہ اور کسی منزل میں اس سے غافل نہیں ہونا چاہئے کہ اسے دنیا کے سارے جھمیلوں اور دلچسپیوں کو چھوڑ کر سوئے مرقد جانا ہے، اس لیے وہ آدمی کو چوکنا کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ع سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ

نظیؔر کی نظم "کلجگ" بھی خوب ہے، رنگ واعظانہ، لہجہ قلندرانہ اور ڈھنگ فقیرانہ ہے۔ یہ نظم آدمی کو بتاتی ہے کہ حشر میں اچھے برے کا تو حساب ہوگا ہی مگر یہ دنیا بھی اچھے کی جزا اور برے کی سزا سے خالی نہیں ہے۔ بقول شاعر:

عدل و انصاف فقط حشر پہ موقوف نہیں
زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

یہ پوری نظم "مکافاتِ عمل" (عمل کا بدلہ) کے نظریہ اور فلسفہ کو پوری فکر مندی، دردمندی اور قوت وطاقت کے ساتھ پیش کرتی ہے۔ بیان کرنے والے بیان کرتے ہیں کہ نظیر کی اس نظم کو برے سے برا اور سخت سے سخت دل ظالم اسے پڑھ لے تو تھر ا اٹھے اور برے اعمال کا برا نتیجہ اس کے سامنے پھرتا نظر آئے۔

دنیا عجب بازار ہے کچھ جنس یاں کی سات لے — نیکی کا بدلہ نیک ہے بد سے بدی کی بات لے
میوہ کھلا میوہ ملے پھل پھول دے پھل پات لے — آرام دے آرام لے دکھ درد دے آفات لے
کلجگ نہیں کرجگ ہے یہ، یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے، اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے

نظیؔر نے قانون مکافات عمل کے بارے میں یہ بھی خوب کہا ہے:

جو اور کسی کا ارمان رکھے تو اس کو بھی ارمان ملے
جو پان کھلا دے، پان ملے، جو روٹی دے تو نان ملے
نقصان کرے، نقصان ملے، احسان کرے احسان ملے
جو جیسا جس کے ساتھ کرے، پھر ویسا اس کو آن ملے
کچھ دیر نہیں، اندھیر نہیں، انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو، اس ہاتھ ملے، یاں سودا دست بدستی ہے

جو اور کسی جاں بخشے تو حق اس کی بھی جان رکھے
جو اور کسی کی آن رکھے تو اس کی بھی حق آن رکھے
جو یاں کا رہنے والا ہے ، یہ دل میں اپنے جان رکھے
یہ ترت پھرت کا نقشہ ہے ، اس نقشے کو پہچان رکھے
کچھ دیر نہیں ، اندھیر نہیں ، انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو ، اس ہاتھ ملے ، یاں سودا دست بدستی ہے
جو اور کا اونچا بول کرے تو اس کا بول بھی بالا ہے
اور دے پٹکے تو اس کو بھی کوئی اور پٹکنے والا ہے
بے ظلم و خطا جس ظالم نے مظلوم کو ذبح کر ڈالا ہے
اس ظالم کے بھی لہو کا پھر بہتا ندی نالا ہے
کچھ دیر نہیں ، اندھیر نہیں ، انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کرو ، اس ہاتھے ملے ، یاں سودا دست بدستی ہے

نظیر کے مجموعۂ کلام کے مطالعہ سے واضح ہے کہ وہ آخرت کی زندگی کا کامل یقین رکھتے ہیں، وہ دنیا میں بسنے والے انسانوں کو اس عقیدہ کا حامل بنانا چاہتے ہیں، تا کہ "حسابِ آخرت" کے خوف سے دنیا کی برائی اور ظلم وستم میں کمی آئے ، معاشرہ اور سوسائٹی میں "فساد" کی بجائے "صلاح" آئے۔ ان کا یہ بنیادی خیال ان کی مختلف نظموں میں اس طرح رچا بسا ہے جیسے کہ پھول کی پتیوں میں خوشبو رچی بسی ہو۔ وہ ایک جگہ کہتے ہیں: ع

جو خاک سے بنا ہے وہ آخر کو خاک ہے

دوسری جگہ کہتے ہیں: ع جب مر گئے تو آخر پھر عمر خاک پا ہے

اسی سلسلہ کی ایک نظم کا بند ہے:

پڑھ علم گئے اُس دنیا میں گر کامل ذی ادراک ہوئے — اور لاد کتابیں اونٹوں پر ہر معنی کے دراک ہوئے
معقول پڑھے منقول پڑھے ہر منطق میں چالاک ہوئے — یاں جتنے علم کے دریا ہیں اُن دریا کے پیراک ہوئے
سب جیتے جی کے جھگڑے ہیں سچ پوچھو تو کیا خاک ہوئے
جب موت سے آکر کام پڑا ، سب قصے قضیے پاک ہوئے

"انتخابِ نظیر" میں ایک نظم قرآنی آیت "کلُ نفس ذائقۃُ الموت" (ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے) کے عنوان سے ہے۔ اس کا پہلا بند ہے:

دنیا میں اپنا جی کوئی بہلا کے مر گیا　　دل تنگیوں سے اور کوئی اکتا کے مر گیا
عاقل تھا وہ تو آپ کو سمجھا کے مر گیا　　بے عقل چھاتی پیٹ کے گھبرا کے مر گیا
دکھ پا کے مر گیا، کوئی سکھ پا کے مر گیا
جیتا رہا نہ کوئی ہر ایک آ کے مر گیا

نظیر کی ایک بے نظیر نظم "فنانامہ" ہے۔ یہ نظم بھی نظیر کی مشہور اور مقبول نظموں میں ہے، جس میں ہر آدمی کو نظیر نے تفصیل سے بتایا ہے کہ دنیا کی ہر چیز کو فنا ہے، بقا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی کو۔ اس نظم کا پہلا بند ہے

دنیا میں کوئی خاص نہ کوئی عام رہے گا　　نہ صاحب مقدور نہ ناکام رہے گا
زردار، نہ بے زر، نہ بد انجام رہے گا　　شادی نہ غم گردش ایام رہے گا
نہ عیش نہ دکھ درد نہ آرام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

نظم کے اٹھارھویں اور آخری بند میں شاعر نظیر نے شاعری کی بھی تمام قسموں کو فنا کی نذر کرتے ہوئے یہ خوب کہا ہے:

یہ شعر و غزل اب جو بناتے ہیں زبانی　　آگے بھی بہت چھوڑ گئے اپنی نشانی
دیوان بنایا کوئی قصہ کہ کہانی　　کچھ باقی نظیر اب نہیں سب چیز ہے فانی
خمسہ نہ غزل فرد نہ ایہام رہے گا
آخر وہی اللہ کا اک نام رہے گا

نظیر کی نظر میں آدمی کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے خالق و مالک سے ہمیشہ مربوط رہے۔ یہ ارتباط اسے دنیوی اور اخروی اعتبار سے ارتقا کی منزل کی طرف لے جاتا ہے۔ اسکی مختلف صورتوں میں مؤثر ترین صورت دعا و التجا کی ہے۔ دعا اور التجا ایک بندہ کے بندہ ہونے کی بڑی شناخت اور پہچان ہے کتاب۔ "انتخاب نظیر" کا آخری عنوان "مناجات باری تعالیٰ" ہے۔ اس نظم میں نظیر نے شیخ سعدی شیرازیؒ کی مشہور مناجات "کریما بہ بخشائے بر حالِ ما" کے تین اشعار

پر اپنے مصرعوں سے گرہ لگائی ہے۔ تین بند پر مشتمل اس مسدس میں نظیر نے آدمی کے مومنانہ جذباتِ کی بھرپور ترجمانی کی ہے، زیرِ نظر مضمون بھی اسی مناجاتی اور دعائیہ نظم پر ختم کیا جا رہا ہے۔ دیکھئے نظیر ایک بندہ کی حیثیت سے بندہ نواز کی بارگاہ میں کس قدر نیاز مندانہ حاضر ہوتے ہیں:

سدا دل سے اے مومنِ پاکباز — وضو کر کے پڑھ پنج وقتی نماز
بوقتِ مناجات با صد نیاز — یہ کہہ اپنے ہاتھوں کو کر کے دراز

کریما بہ بخشائے بر حالِ ما
کہ ہستم اسیر کمندِ ہوا

الٰہی تو ستّار و غفّار ہے — مرا یاں گناہوں سے انبار ہے
نہ حامی کوئی نہ مددگار ہے — اب اس بے کسی میں تو ہی یار ہے

نہ داریم غیر از تو فریاد رس
توئی عاصیاں را خطا بخش و بس

ہوئے جرم تجھ سے صغیر و کبیر — پڑا ہے تو دامِ گنہ میں اسیر
ذرا خوابِ غفلت سے چونک اے نظیر — دعا مانگ جلد اور کہہ اے خبیر

نگہدار مارا ز راہِ خطا
خطا درگزار و صوابم نما

اوپر شیخ سعدی کے جو فارسی اشعار آئے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے:

"اے کریم آقا! میں ہوا و ہوس کے پھندے میں قید ہوں، ہمارے حال پر رحم کرتے ہوئے اس صورتِ حال سے نجات دے اور گناہوں کو بخش دے، تیرے سوا ہمارے گناہوں کو کوئی بخشنے والا نہیں ہے، تو ہی ہے جو ہماری فریاد کو سن سکتا ہے، گناہ کے راستوں سے ہمیں بچا، قصور معاف کر دے اور راہِ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔"

غزل

بے حس الہ آبادی (حیدر آباد)

ممکن نہیں کہ جائیں چمن اپنا چھوڑ کر
رگ رگ سے ہم نے خون دیا ہے نچوڑ کر
ہم حادثوں کے واسطے دیوار بن گئے۔
رکھ دی ہے آندھیوں کی کلائی مروڑ کر
مضبوط و مستقل ہو اگر عزم ناخدا
طوفان بھی چلتے ہیں رُخ اپنا موڑ کر
کچھ لوگ دیکھتے ہیں تماشے کے طور پر
بارود اور آگ کے رشتے کو جوڑ کر
یہ بد نصیب قوم تو یوں جاگتی نہ تھی
خود وقت نے جگایا ہے اس کو جھنجھوڑ کر
بے حسؔ میں ایسی شانِ مسیحائی کے نثار
مرہم لگا رہے ہیں وہ دل میرا توڑ کر

غزل

بے حس الہ آبادی (حیدر آباد)

ہم ہوں کیوں مایوس اگر ہیں وقت کے گیسو برھم برھم
کیا کرے گی گردشِ دوراں، حوصلے گر ہیں محکم محکم
اہلِ خرد سوچا ہی کئے اور اہلِ جنوں جا پہنچے کہاں تک
دنیا پر سب کر دیئے روشن، تھے جو حقائق مبہم مبہم
چشم بصیرت ہو تو جہاں میں پردہ کوئی بھی چیز نہیں ہے
غور سے دیکھو تو ہر شئے میں ذوقِ نمو ہے مدغم مدغم
کس نے شب بھر اشک بہائے اہلِ چمن کو اس کی خبر کیا
وقتِ سحر سب دیکھ رہے ہیں سبزہ و گل پر شبنم شبنم
کل جن کے معصوم لبوں پر پھول ہنسی کے کھلتے تھے
آج ان کی آنکھوں کو ہم نے دیکھا ہے کچھ پرنم پرنم
اہلِ وفا ہر راہ گزر میں نقشِ قدم چھوڑ آئے ہیں اپنے
بعد فنا بھی ذکر ہمارا ہوتا رہے گا عالم عالم
برہم ہو گئی انجمن شب، وقت سحر نزدیک ہے بے حسؔ
چاندنی ہے کچھ پھیکی پھیکی، تارے بھی ہیں مدھم مدھم

مستشرقین کے کاموں کا ایک جائزہ

مولانا حسنین احمد ندوی (ابو ظبی)

مستشرقین کا عہد بارہویں صدی سے شروع ہوتا ہے، جب کہ انہوں نے یورپ کی مختلف زبانوں میں اسلام اور مسلمانوں سے متعلق علوم و فنون پر لکھنا شروع کیا۔ انہوں نے قرآن، حدیث، تفسیر، سیرت، فقہ، تصوف، ادب، سماجیات، سیاسیات، طبعیات، تاریخ، جغرافیہ اور طب کو اپنا موضوع بنایا اور اس پر بیشمار کتابیں لکھیں جو جرمنی، اٹلی، فرانس، انگلستان، ہندوستان اور ہالینڈ سے شائع ہوئیں۔ اس کے علاوہ بہت سے نادر و نایاب مخطوطات جو مسلم ممالک خصوصاً مصر و شام، عراق، ایران، ہندوستان اور انڈونیشیا میں لوٹ مار کے دوران اہل یورپ کے ہاتھ آئے تھے، اسے ایڈٹ کر کے چھاپا اور بعض اہم عربی کتابوں کو یورپی زبانوں میں منتقل کیا۔

مستشرقین نے اسلام اور مسلمانوں کے علوم و فنون پر جو کچھ لکھا ہے وہ مستقل تصنیف کی شکل میں ہو یا مقالات و محاضرات کی صورت میں اسے مجموعی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک حصہ تو وہ ہے جس میں نہ صرف مواد بلکہ زبان و بیان تک انتہائی گھٹیا، بازاری اور جارحانہ ہے۔ جیسے ایک مستشرق سیوکیوں کا یہ بیان جو اس نے اپنی کتاب میتھالوجی آف اسلام میں لکھا ہے:

> "دین محمدی جذام کی بیماری کی طرح لوگوں میں پھیلا اور اس نے ان کی دھجیاں بکھیر دیں۔ یہی نہیں بلکہ وہ ایک خوفناک مرض اور ایسا پاگل پن جو انسان کو انتہائی کمزوری اور سستی پر مائل کرتا ہے اور اگر بیدار بھی کرتا ہے تو صرف خوں ریزی، شراب خوری اور دوسری برائیوں کے لیے۔"

اسی طرح ایک اور مستشرق ڈاکٹر گلوور کا لب و لہجہ بھی ملاحظہ فرمائیں جو اس نے اپنی کتاب "تقدم التبشیر العالمی" میں اختیار کیا ہے:

> "محمد کی تلوار اور قرآن: یہ دونوں تہذیب، حریت اور حق کے سب سے بڑے دشمن ہیں، دنیا میں اب تک جو تباہی اور بربادی منڈلا رہی ہے، اس کے سب سے بڑے باعث یہی ہیں، جس طرح قرآن حقائق و خرافات، قوانین اور دیومالائی تصورات کا عجیب و غریب مجموعہ ہے اسی طرح تاریخی غلطیوں اور باطل خیالات کی بھی اس میں آمیزش ہے۔"

مستشرقین کے کاموں کا دوسرا حصہ وہ ہے جس پر شروع سے آخر تک علم و تحقیق کا رنگ چڑھا ہوا ہے، انہوں نے اپنی کتابوں کو مختلف مصادر اور مخطوطات کے کثیر حوالوں سے مزین کیا ہے، اس کا اسلوب بھی سنجیدہ اور سائنٹفک ہے جس سے ان کی غیر معمولی لگن، محنت اور کوششوں کا پتہ چلتا ہے۔ مستشرقین نے اس دفتر بے معنی کی تیاری میں کس قدر دیدہ ریزی، تجسس اور جد و جہد سے کام لیا ہے اس کا اندازہ آپ اس بات سے کر سکتے ہیں کہ اربیری (ARBERRY) کے بارے میں آتا ہے کہ مثنوی مولانا روم کا رات دن مطالعہ کرتے کرتے اس کی بینائی جاتی رہی تھی ھسی نیون جب سورۂ کہف پڑھتا تھا تو اس کے چہرے پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ گوئٹے (GOETHE) قرآن کے متعلق کہا کرتا تھا: جب میں یہ کتاب پڑھتا ہوں تو میری روح میرے جسم میں کانپنے لگتی ہے۔

مسلمانوں کے علوم و فنون سے مستشرقین کی اس غیر معمولی دلچسپی اور اثر پذیری کے باوجود واقعہ یہ ہے کہ ان کی تمام تصنیفات، جھوٹ، افتراء، مکر، تحریف اور علمی بد دیانتی کا معیاری نمونہ ہیں۔ اس کام کے لیے انہوں نے مختلف قسم کے وسائل اختیار کیے ہیں؛ جیسے ایک مشہور مستشرق اسپرنگر کی کتاب جو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر لکھی ہے، اس کا نام کچھ اس طرح ہے:

LIFE OF MOHAMMED FROM ORIGINAL SOURCES

اوریجینل سورس سے جیسا کہ ظاہر ہے کہ ایک عام قاری یہی سمجھے گا کہ کتاب اصل اور صحیح ماخذ کی روشنی میں لکھی گئی ہوگی جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اسکی کتاب کا تمام تر دار و مدار واقدی پر ہے اور واقدی کا علمی دنیا میں کیا مقام ہے؟ اس کا اندازہ آپ ذیل کے اقتباس سے بخوبی کر سکتے ہیں:

امامِ شافعیؒ فرماتے ہیں کہ واقدی کی تمام تصانیف جھوٹ کا انبار ہیں۔ (الموضوعات الکبیر ۱۴۸)

علامہ سید سلیمان ندوی اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

”دنیا جانتی ہے کہ واقدی کی حیثیت ایک داستان گو کی ہے، جس کا شمار معتبر مؤرخین میں نہیں ہو سکتا۔ تاریخ و سیرت میں اسکا حوالہ دینا ایسا ہی جیسا کہ آپ ملکہ الزبتھ کی سوانح عمری میں رینالڈس کا حوالہ دیں۔“ (مقالات سلیمان ج ۲ ص ۱۱۸)

یہی نہیں بلکہ جن مشہور عربی کتابوں کو مستشرقین نے طبع کیا ہے وہ بھی ان کی تحریف اور قطع و برید سے پاک نہیں ہیں۔ اس کی واضح مثال امام ابو یوسف کی کتاب "الخراج" کا وہ ایڈیشن ہے جو ۱۹۶۳ء میں انہوں نے شائع کیا ہے۔

اس طرح آٹھ سو سال کے اس طویل عرصہ میں مستشرقین نے اسلام اور مسلمانوں سے متعلق موضوعات پر اتنا لکھا ہے کہ اس سے کئی کتب خانے قائم ہو سکتے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ آج تک کوئی ایسی کتاب نہ لکھ سکے جس کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ وہ ہر طرح کی تحریف اور غلط بیان سے پاک ہے۔

علمی میدان میں مکر و فریب، بد دیانتی اور خیانت کا عالمی سطح پر جو ریکارڈ مستشرقین نے قائم کیا ہے، اس کی وجہ سے کسی بھی علمی و تحقیقی کام کے غلط، غیر معتبر اور ساقط الاعتبار ہونے کے لیے کافی ہے کہ اس میں مستشرقین کا نام ہے۔

خطباتِ حکیم الاسلامؒ

اسلامی بیداری اور سماجی اصلاح میں حصہ

مولانا احتشام الحق قاسمی (ایم. اے.، ایم فل، علیگ)

ہر عہد اور ہر دور میں علماء کرام نے عوام کو صحیح اسلامی تعلیمات سے متعارف کرانے اور ان میں اسلامی بیداری پیدا کرنے کے لیے مستقل کوششیں کیں۔ ان علماء کی حیثیت ایسے مصلحین کی تھی جو قوم کی کمزوریوں اور ان میں پیدا ہونے والی خرابیوں پر نظر رکھتے ہیں اور ان کو دور کر کے اپنی قوم کو مکمل انسان بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس معاملہ میں علماء نے خواص کے لیے باقاعدہ تعلیم گاہیں قائم کیں، ایک لائحۂ عمل اور نصاب تیار کیا اور اس کے مطابق محنتیں کیں، تاکہ آگے چل کر وہ بھی مصلحین کے روپ میں ابھریں اور عوام کے لیے براہِ راست تخاطب کا انداز اپنایا، تاکہ ان کی بدنظمی کو اس راہ سے دور کر کے اسلام کی مثالی اور روحانی فضاء قائم کی جاسکے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ان دونوں معاملات میں علماءِ دیوبند اپنی ایک اہم اور امتیازی شان کے حامل ہیں۔ ان لوگوں نے صرف تعلیم گاہیں اور خانقاہیں قائم کرنے ہی کو کافی نہیں سمجھا بلکہ عوام کی اصلاح کے لیے براہِ راست ان سے تعلق قائم کیا، تقریر و خطابت کے ذریعہ سے ان کو اسلامی روح سے واقف کروایا اور یہاں تک پیش قدمی کی کہ غلط اور مخالف نظریہ کے حامل افراد سے بھی تعلق قائم رکھا اور انکے اجتماعات میں بھی شرکت کی، تاکہ وہاں بھی کوئی اصلاح کی صورت نکل آئے، تو اسے اپنا کر ان کو سدھارا جاسکے۔ ہم یہاں انہی صفات کی حامل برگزیدہ بزرگ اور مقبول عام خطیب حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے خطبات کا ادبی اور علمی حیثیت سے مطالعہ کریں اور یہ دیکھنے کی کوشش کریں گے کہ حضرت قاری صاحبؒ کے خطبات نے مسلم سماج کی اصلاح اور ان میں اسلامی بیداری پیدا کرنے میں کس قدر مؤثر رول ادا کیا ہے۔

حضرت قاری طیب صاحبؒ کا شمار علماء دیوبند میں ہوتا ہے۔ ان کی ساری زندگی دینی علوم اور اسلامی افکار کی اشاعت میں گذری۔ وہ ایک عظیم عالم اور بلند پایہ مقبول عام خطیب تھے۔ ان کی تقاریر نہ صرف ہندوستان میں بلکہ بیرون ملک پاکستان، بنگلہ دیش اور افریقہ میں بھی دلچسپی اور شغف وانہماک سے سنی جاتی تھیں۔ ان کے خطبات عام طور پر طویل ہوا کرتے تھے۔ نکتہ آفرینی بات میں سے بات نکالتے چلے جانا، موضوع سے متعلقہ شبہات کو دور کرتے ہوئے اس کے ہر پہلو کو واضح کرتے چلے جانا اور قرآن وحدیث ہی کو دلیل بنانا ان کا امتیاز تھا۔ ان کے خطبات میں جوش و خروش اور مد و جزر بالکل نہ ہوتا تھا۔ جب وہ تقریر کرتے تھے تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دریا ہے جو پوری روانی کے ساتھ بہا چلا جا رہا ہے۔ اپنی علمی ومعنوی اور اصلاحی صفات سے قطع نظر ان کے خطبات اردو زبان وادب کے لیے ایک بیش بہا سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انکے خطبات کی زبان بالکل سادہ اور عام فہم ہے جن میں وہ اردو محاورات، تراکیب اور خوبصورت تعبیروں کا استعمال اس دلکش انداز میں کرتے ہیں کہ سامعین پر ایک محویت طاری رہتی تھی۔ مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی تقاریر تصنع اور بناوٹ سے بالکل عاری ہیں اور ان میں ایک طرح کا بے ساختہ پن پایا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے ان کی تقاریر باوجود اپنی بیحد طوالت کے سننے والوں میں اکتاہٹ اور گھبراہٹ پیدا نہیں کرتی تھیں۔ اس مقالے میں ہم نے ان کی تقاریر کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: ایک وہ جو اعمال کی اصلاح کے لیے کی گئیں، دوسری وہ جو فکری بیماریوں کی اصلاح کے مقصد کے تحت کی گئیں۔ (اگرچہ یہ دونوں عناصر حضرت قاری صاحبؒ کی ہر تقریر میں تقریباً یکساں طور پر پائے جاتے ہیں) پھر ہر حصے میں مختلف موضوعات کے تحت ہم ان کے افکار و نظریات کا جائزہ لیں گے اور آخر میں ان کے خطبات کے ادبی مقام سے بحث کریں گے۔

اعمال کی اصلاح

قاری صاحبؒ نے عوام میں مروج مختلف عملی خرابیوں کی طرف توجہ دی اور ان کے اصلاح کی کوشش کی۔ مختلف عناوین کے تحت ان کے نظریات پیش ہیں۔

اعتدال و میانہ روی

کسی بھی دینی، مذہبی اور سماجی: غرض ہر قسم کے کام کے لیے اسلام میں میانہ روی اختیار کرنے کا پیغام دیا گیا ہے۔ موجودہ معاشرے میں جو افراط و تفریط نظر آتی ہے اس کا بہت بڑا سبب

اس حکم کی عدم تعمیل ہی ہے۔ حضرت قاری صاحبؒ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں: "اعمال کے بارے میں (نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نے فرمایا: "لاتشددوا فیشدد اللہ علیکم" اعمال میں شدت مت اختیار کرو کہ اللہ بھی تم پر شدت کرنے لگے اور پھر کسی شدت کا مطالبہ ہو اور نباہ نہ سکو اور گناہگار بنو؛ تو تشدد مت کرو، اطمینان اور درمیانہ چال کے ساتھ عمل کرو۔ حضرت ام سلمہؓ مسجد میں عبادت کیا کرتی تھی تو ایک رسی چھت میں لٹکادی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو فرمایا یہ رسی کیسی ہے؟ عرض کیا گیا امّ سلمہ عبادت کرتی ہیں جب نیند آنے لگتی ہے تو رسی کا سہارا پکڑتی ہیں، تاکہ نیند میں جھونکے نہ کھائیں اور عبادت میں مصروف رہیں۔ فرمایا اس کی کیا ضرورت ہے؟ جب نیند آئے سورہو "لا تفریط فی النوم" "نیند میں کمی مت کرو، جتنی عادت طبعی ہے اسے پورا کرو۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اعمال میں اعتدال رکھو، اتنا مت دوڑو کہ آگے جاکے ٹھوکر لگے اور گر جاؤ اور پھر چلنے ہی کے قابل نہ رہو۔"

(خطبات حکیم اسلام مطبوعہ حکیم الاسلام اکیڈمی ۱۹۸۵ھ جلد نمبر ۲ ص ۱۳۶-۱۳۵)

نکاح اور فضول خرچی

آج کے ہمارے معاشرے خاص کر ہندوستانی مسلمانوں کے ہندوزدہ سماج میں شادی بیاہ کے معاملات میں جو فضول خرچی اور افراط و تفریط کا مظاہرہ ہے، اس نے نکاح جیسے مبارک اور آسان معاملہ کو بھی مشکل ترین بنا کر رکھ دیا ہے: کچھ لوگوں نے تو اسکو اپنی شان و شوکت اور نام و نمود کے اظہار کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ حضرت قاری صاحبؒ نے فرمایا کہ ایسے نکاح میں قرآن و حدیث کی رو سے بالکل برکت نہیں ہوتی اور اس کا اثر ساری زندگی پر پڑتا ہے۔ کہتے ہیں: نکاح میں برکت کب ہوتی ہے؟ "فرمایا گیا (حدیث شریف میں) جس نکاح میں خرچ کم ہو اس میں برکت زیادہ ہوگی اور جس نکاح میں خرچ زیادہ ہوگا برکت اٹھالی جائے گی، اس لیے کہ خرچ عموماً فخر و مباہات کی وجہ سے زیادہ ہوتا ہے کہ برادری میں ناک نہ کٹ جائے، ہم ذرا اونچے سمجھے جائیں، اس لیے آدمی حیثیت سے بڑھ کر خرچ زیادہ کرتا ہے اور جسے برادری کہتے ہیں وہ ہر صورت میں ناک کاٹنے ہی کی فکر میں رہتی ہے۔ کتنا ہی خرچ کرے آدمی کی ناک نہیں رہتی، اس لیے کہ بھائی برادر اسی فکر میں رہتے ہیں کہ ذرا کمزوری ملے اسے ہی اچھالتے ہیں۔ تو جسے ناک کہیں وہ پھر بھی نہیں رہتی؛ تو مایہ بھی کھوئی اور ناک بھی کٹوائی، فائدہ کیا ملا؟ (خطبات حکیم الاسلام جلد ۲ ص ۴۹۱-۴۹۰)

مسلمانوں کی بربادی اور فضول خرچی و غلط رسوم

حضرت قاری صاحبؒ کا ارشاد ہے کہ بے جا اسراف اور اپنی خوشی و غمی کی غلط رسوم میں اندھا دھند خرچ کی وجہ سے ہی مسلمان تباہ و برباد ہوئے ہیں، ان کا مالیہ کمزور ہو گیا ہے اور دیوالیہ نکل گیا۔ جب تک ہم اس پر قابو نہ پائیں گے کوئی سلیقہ کا کام کر ہی نہیں سکتے۔ نکاح ہی کے سلسلے میں فرماتے ہیں: ''جو رائج الوقت مہر ہو اس کو باندھ دو کوئی خاص مہر تلاش کرنا یا جہیز کے سلسلے میں بہت زیادہ حدود سے گذر کر خرچ کرنا؛ یہ سب چیزیں غلط ہیں۔ مسلمانوں کی جائیدادیں اسی میں تباہ ہوئیں یا شادی کی رسوم میں یا غمی کی رسوم میں۔ مرنے والا مرتا ہے، وہ تو گیا اس کے بعد اب برادری کے کھانے ہو رہے ہیں، چالیس دن کا الگ ہو رہا ہے دس دن کا الگ ہو رہا ہے، برسی الگ ہو رہی ہے اور چہلم الگ ہو رہا ہے: نہیں ہوتا تو قرض لے کے کرتے ہیں۔ اس میں مسلمانوں کی جائیدادیں برباد ہوئیں ہیں۔ شادی کی رسموں یا غمی کی رسموں ہی کی وجہ سے مسلمان تباہ ہوئے اور اب تک بھی ہوش نہیں آیا۔ (خطبات حکیم الاسلام جلد ۲ ص ۴۹۶)

بچوں کی اصلاح سے قبل ماں باپ کی اصلاح

تقریباً بھی نیک طینت ماں باپ اس بات کے خواہشمند ہوتے ہیں کہ ان کی اولاد نیک و صالح اور فرمانبردار نکلے اور اسلامی شعور سے آراستہ ہو۔ قاری صاحبؒ کا کہنا ہے کہ یہ مکمل طور پر اسی وقت ممکن ہے جب کہ خود ماں باپ اصلاح شدہ ہوں، کیوں کہ بچہ بچپن ہی سے نقال ہوتا ہے اور نمونے کے طور پر سب سے پہلے ماں باپ ہی اس کے سامنے ہوتے ہیں اگر وہ نیک اور شائستہ ہوں تو بچہ میں بھی شائستگی پیدا ہو گی اور اگر وہ ہی خراب اور پھوہڑ ہیں تو بچہ بھی بدتہذیب ہی نکلے گا۔ کہتے ہیں: ''یہ فکر آپ کی بجا ہے کہ ہماری نسلیں خراب نہ ہوں، ان میں ایمان باقی رہے، لیکن اسکے ساتھ اس بات کی ضرورت ہے کہ فقط اولاد کی فکر نہ ہونی چاہئے اپنی بھی تو فکر ہو۔ جو حرکتیں تمہاری ہوں گی اس کی بچے نقل اتاریں گے۔ بچہ میں بالطبع نقالی کی عادت ہے۔ آپ نماز پڑھیں گے، وہ بھی رکوع سجدے کرنے لگے گا، آپ بولیں گے وہ بھی اسی طرح بولنے کی مشق کرے گا، گالی والی دیں گے تو آپ کو گالی دینے لگے گا۔ (خطبات حکیم الاسلام جلد ا ص ۱۴۸)

سماج کی اصلاح میں عورتوں کا حصہ

حضرت قاری صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ماں باپ میں بھی خاص طور پر ماؤں کا پاکیزہ ہونا از حد

ضروری ہے، کیوں کہ بچہ کی پہلی درسگاہ ماں کی گود ہی ہوتی ہے اور خود شوہر کی اصلاح میں بھی عورت ہی کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ کہتے ہیں: ''سب سے زیادہ ہماری ماؤں، بہنوں کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنی گود کو علم سے بھریں، خود مسائل سیکھیں۔ بچہ ابتداءً جو کچھ سیکھے گا انہیں سے سیکھے گا: اگر ماں کی زبان پر علم کا چرچا رہے، بچہ بھی وہی چرچا لے کر کھڑا ہو گا اور اگر ماں کی زبان پر جہالت ہے بچہ بھی جہالت لے کر چلے گا۔ اس لیے ہماری بہنوں کو اپنی وجہ سے اور اپنی نسلوں کی وجہ سے خود بھی بدلنے کی اور اپنی اصلاح کی ضرورت ہے کہ وہ علم کی طرف متوجہ ہوں اور اگر وہ متوجہ ہوگئیں تو ان مردوں کی کیا مجال ہے کہ متوجہ نہ ہوں۔ اس واسطے کہ یہ تو ان کے زر خرید غلام ہیں، جتنی شادی اور غمی کی رسمیں ہوتی ہیں، جن میں مسلمان تباہ ہوئے، جب پوچھا جائے کہ بھئی! تم عقلمند سمجھدار ہو پھر یہ کیا کر رہے ہو؟ تو کہتے ہیں جی! عورتیں نہیں مانتیں؛ گویا عورتیں لیڈر اور حکام ہیں، وہاں سے آرڈر جاری ہوتا ہے اور ان کا فرض ہے کہ تعمیل کریں، یہ غلامی میں گرفتار ہیں۔ بہر حال یہ ایسے ہی غلام ہیں، تو میں کہتا ہوں کہ اگر یہ عورتیں انہیں خیر پہ لگانا چاہیں تو یہ ضرور لگا کے رہیں گے۔ (خطبات حکیم الاسلام جلد۴ ص ۱۸۴)

نصیحت کا طرز کیسا ہو؟

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امت محمدیہ کا خصوصی فریضہ ہے، لیکن اس کا بھی ایک سلیقہ اور کچھ آداب ہیں کہ نصیحت محبت اور خلوص کے جذبے سے کی جانی چاہئے۔ درجِ ذیل اقتباس اپنی فکری و معنوی اہمیت کے ساتھ ساتھ خاصی دلچسپی کا بھی حامل ہے۔ کہتے ہیں: ''محبت اور اس جذبے سے نصیحت کی جائے کہ کسی طرح قبول کرلے بعض اس جذبہ سے نصیحت کرتے ہیں کہ میرا فرض ہے ادا ہو جائے، یہ چاہے جہنم میں جائے یا جنت میں: یہ نصیحت کا طرز نہیں، انبیاء علیہم السلام اس طرح نصیحت نہیں کرتے تھے، وہ تو یہ چاہتے ہیں جیسے باپ بیٹے کو نصیحت کرتا ہے کہ کسی طرح مان جائے، کبھی لالچ دیتا ہے، کبھی گھورتا ہے، کبھی مارتا ہے، پیٹتا ہے۔ باپ کا جذبہ نہیں ہوتا کہ میں نصیحت کر دوں اب چاہے یہ جنت میں جائے یا جہنم میں، چاہے بدنام ہو، برباد ہو، مجھے پرواہ نہیں، وہ تو یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح وہ سیدھے راستے پر آجائے۔ یہی انبیاء کرام کی شان ہے۔ وہ اپنے کو ذمہ سے بری کرنے کے لیے نہیں بلکہ مخلوق کو راہِ ہدایت پر لانے کے لیے نصیحت کرتے ہیں، تو کبھی ڈراتے ہیں، کبھی دنیا کی لالچ اور کبھی آخرت کی لالچ دیتے ہیں

کہ کس طرح بندہ مان جائے: تو امت اپنے پیغمبر کی قائم مقام ہے، اس کا بھی یہی فرض ہے کہ ایک دوسرے کو نصیحت، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے، تا کہ امت کا راستہ صحیح ہو جائے۔

(خطبات حکیم الاسلام جلد ۱ص ۳۶۱)

مثالی مسلمان بننے کا راز

حضرت قاری صاحبؒ کا نقطۂ نظر تھا کہ اگر ہم سماج میں قابل نمونہ افراد اور مکمل اسلامی مزاج کے حامل اشخاص تیار کرنا چاہیں تو یہ سیرت محمدی پر عمل کر کے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ اس بات کو انہوں نے اپنی اکثر تقاریر میں دہرایا ہے کہ سیرت طیبہ ہی ہمارے لیے زندگی گزارنے کا منشور ہونی چاہئے۔ فرماتے ہیں:

''آج اگر ہم لوگ اپنے نونہالوں کے لیے سچے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ ایک طرف تو وہ نہایت اونچے پیمانے کے دیندار اور خدا پرست ہوں، جن میں بے راہ روی، بے قاعدگی، بداعتقادی اور اصول شکنی نہ ہو، ان کی نگاہ خدا پر ہو اور اسی پر بھروسہ اور اعتقاد رکھتے ہوں اور دوسری طرف وہ ملک کے سچے شہری اور متمدن ہوں، جن کے حالات و معاملات میں دیانت، صداقت، راست گوئی اور راست بازی ہو، شخصی مفاد کے غلبہ کے بجائے قومی اور جماعتی مفاد ان پر غالب ہو، ایک طرف وہ مساجد و مدارس کی زینت ہوں اور دوسری طرف درباروں اور بازاروں کا نظم بھی ان کے ہاتھ میں فروغ پارہا ہو، ایک طرف ان کی خلوت گاہیں یادِ الٰہی سے بھرپور ہوں اور دوسری طرف ان کی جلوتیں اور حکومت کے دفاتر ان کی عدل گستری سے معمور ہوں، ایک طرف وہ اپنے ملک میں خوش حال و خوش مآل ہوں اور دوسری طرف اہل ملک ان کی طرف رجوع ہو کر نہ صرف ان سے عزت مندانہ تعلقات و معاملات ہی کو اپنی آبرو سمجھیں، بلکہ ان کے مثالی معاملات سے بھی درس لیں تو یہ جامع زندگی بجز اس سیرت جامع کی عملی پیروی کے کہیں بھی دستیاب نہیں ہوگی۔

(خطبات حکیم الاسلام جلد ۱ص ۲۸۵-۲۵۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی زندگی کی پیروی کے معاملہ میں بھی قاری صاحبؒ ایک معتدل اور ماحول سے مطابقت رکھنے والی فکر کے حامل تھے، معاشرے کی خرابیوں اور اس کے انحطاط پر آپ کی گہری نظر تھی۔ انہیں اس بات کا بخوبی اندازہ تھا کہ اس ماحول میں ہم عوام سے اس حد تک تقویٰ و پرہیزگاری کی امید رکھ سکتے ہیں۔ آپؒ فرماتے تھے کہ اس معاملہ میں بھی سخت اعتدال کی ضرورت ہے، کیوں کہ مکمل طور پر سیرت محمدی پر تو خواص بھی اپنے آپ کو نہ ڈال

سکے، اس لیے عوام پر بھی اس پر مکمل عمل کرنے کے لیے زیادہ زور نہیں دینا چاہیے، کیوں کہ یہ چیزیں صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ذات کے ساتھ خاص تھیں اور انہی کے پاس اس کے تحمل کی صلاحیت بھی تھی، اگر ہم سب پر لاگو کر دیں تو بیحد زحمت ہوگی۔ مثال کے طور پر اگر جو کی روٹی اور زیتون کا تیل کھانے اور اسی طرح کے دوسرے مجاہدات کی پیروی کرنے کا پیغام دیا جائے تو عوام اس بات کی متحمل نہ ہوگی۔ آپؒ اس معاملہ میں بیحد حقیقت پسند ہیں، فرماتے ہیں: ”اگر آدمی حرام سے بچ جائے، فرائض ادا کرتا رہے، یہ اس زمانے کا جنید و شبلی ہے۔ آج کا جنید و شبلی وہ نہیں ہے جو پہلے کا تھا کہ ایک مستحب کا ترک نہ ہو اور ایک مکروہ کا ارتکاب نہ ہو، آج کا بڑا مقدس وہی ہے جو اپنے فرائض ادا کرتا ہے اور حرام سے بچ جائے، بس اس سے زیادہ کوئی کامل نہیں۔ فتن اتنے بڑھ چکے ہیں کہ اس زمانے میں آدمی یوں چاہے کہ میں زندگی صدیقؓ و فاروقؓ کی طرح گزار لوں تو یہ ممکن نہیں، نہ زمانے کے حالات ہیں، نہ ہمارے اندر طاقت ہے، نہ ہمیں حوصلہ کرنا چاہیے: بس حوصلہ یہ ہے کہ شریعت کے دائرے سے باہر نہ نکلے، ناجائز چیزوں کا ارتکاب نہ کرے، جائز چیزوں کی حدود کے اندر رہے، مشتبہ اور حرام سے بچ جائے، بس اتنا کافی ہے، ورنہ انبیاء کی زندگی پر تو اکابر، اولیاء اللہ بھی نہ چل سکے۔

(خطبات حکیم الاسلام جلد اص ۱۴۳)

فکری واعتقادی بیماریوں کی اصلاح

کفر و شرک

فکری و اعتقادی گمراہیوں میں سب سے بھیانک گمراہی کفر اور شرک ہے، اس معاملہ میں ذرا سی لغزش تمام اچھائیوں پر پانی پھیر دینے کے مترادف ہوتی ہے۔ اس کو سمجھاتے ہوئے حضرت قاری صاحبؒ فرماتے ہیں: ”عبادت نافع اور ضار ہی کی ہوتی ہے، اسباب نفع و ضرر کی نہیں ہوتی۔ یہی دھوکہ دوسری قوموں کو ہوا تو کوئی سورج کو سجدہ کرنے لگا، تو کوئی درخت کو، کیوں کہ کچھ نہ کچھ نفع تو ہر چیز میں موجود ہے۔ پس تمام عبادتیں (جانی و مالی ہمہ اقسام) اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہونی چاہیے، نہ غیر اللہ کی نذر ماننی چاہیے، نہ غیر اللہ کو سجدہ کیا جائے اور نہ رکوع کیا جائے، البتہ جو چیزیں جائز ہیں ان کی تعظیم جائز ہے؛ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے بھی یہی تعلیم دی ہے۔ فرمایا گیا ”ان اعبدوا اللہ واتقوہ واطیعون“ یعنی اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور اسی

سے ڈرو اور میری اتباع کرو۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کی شان تو یہ تھی کہ اگر تکلیف ہوتی تو شکوہ بھی اللہ تعالیٰ سے کرتے تھے۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام گم ہوگئے تو یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: "اِنَّمَا اَشْکُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ" یعنی میں اپنے غم کی شکایت اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں، کیوں کہ ان کو علم تھا کہ یوسف علیہ السلام انہی کی مرضی سے گم ہوئے تھے۔"

(خطبات حکیم الاسلام جلد اس ۱۷۳-۱۷۲)

اولیاء اللہ کی عظمت اور اس معاملہ میں احتیاط

اولیاء اللہ اور بزرگان دین کی عزت و احترام ہمارا فرض ہے، مگر اس معاملہ میں حدود کو تجاوز کر جانا بیحد نقصاندہ ہے۔ فرماتے ہیں: "ان کی (اولیاء اللہ کی) عظمت واجب ہے، گو وہ معصوم نہیں مگر خاص مقربین اولیاء اللہ محفوظ ضرور ہوتے ہیں، من جانب اللہ انکی حفاظت کی جاتی ہے، ان کو منجانب اللہ برائی سے روکا جاتا ہے، اگر نفس لے بھی چلے تو اللہ تعالیٰ اس طرف انہیں جانے نہیں دیتے، حفاظت خداوندی شامل حال ہوتی ہے، مگر اسکے باوجود امکان ہے کہ غلط فہمی ہو جائے، امکان ہے کہ عمل غلط ہو جائے اور جب امکان آگیا تو قطعیت نہ رہی اور دین قطعی حکم کا نام ہے ظنی اور امکانی چیز نہیں، اس لیے انبیاء کی حد تک تو بات صحیح ہے کہ ان کا جو قول و فعل ہے، وہ شریعت بنا دیا جائے، لیکن دوسرے لوگوں کے حق میں یہ بات نہیں کہ ان کا ہر قول و فعل شریعت بنا دیا جائے۔"

(خطبات حکیم الاسلام جلد اس ۱۸۷)

ترکِ دنیا کا صحیح مفہوم

فلسفہ ترک دنیا اسلام سے بہت پہلے کی چیز ہے، عیسائیت اور ہندوازم اس کے اصل منبع ہیں۔ حضرت قاری صاحبؒ کا خیال ہے کہ اصل ترک دنیا یہ ہے کہ آدمی دن رات محنت کرکے رزقِ حلال حاصل کرے اور جب دنیا آئے تو اس کا استعمال کرے، مگر دل خدا کی محبت سے معمور ہو، دنیا کی محبت سے لبریز نہ ہو، بس اسی کا نام ترک دنیا ہے اور جہاں تک گوشہ نشینی اختیار کر لینے اور دنیا سے قطع تعلق کر لینے کا معاملہ ہے، تو وہ ترک دنیا میں نہیں آتا۔ فرماتے ہیں: "اسلام نے لوگوں کو تارک الدنیا بنایا، متروک الدنیا نہیں بنایا، دنیا پر قابو پا کر بھی اس کو ترک کرو، خواہ ہاتھ سے، خواہ قلب سے، اسلام یہ نہیں کہتا کہ تم دولت مند مت بنو اور بھیک منگے بنو۔ مسلمان بھیک منگا اور سائل بننے کے لیے نہیں آیا وہ دنیا کو دینے کے لیے آیا ہے، دنیا سے مانگنے کے لیے نہیں آیا۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دنیا کماؤ "کسب الحلال فریضة بعد الفریضة" نیک اور پاک کمائی

ہر مسلمان کے اوپر فرض ہے۔ ہاتھ پیر کاروبار میں لگے ہوئے ہوں اور دل اپنے مالک میں لگا ہو، یہ اسلام کی تعلیم ہے، نہ کہ تم دنیا ترک کر کے پہاڑوں میں بیٹھ جاؤ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں بیٹھ کر ایک ایک دن کے اندر کئی کئی لاکھ روپے اپنے دست مبارک سے تقسیم کیے ہیں؛ تو یہ شان بتلائی گئی ہے کہ دنیا قبضے میں بھی کرو پھر قلب سے ترک کر دو اور اگر ملتی نہیں اور کہو ہم تارک الدنیا ہیں، تو تارک الدنیا نہیں متروک الدنیا ہو، دنیا نے تمہیں ترک کر رکھا ہے۔ وہ تارک الدنیا نہیں کہ دنیا ہاتھ میں نہیں اور للچائی نگاہوں سے دیکھ رہا ہے اور لوگوں کو دھوکا دے رہا ہے کہ میں تارک الدنیا ہوں۔" (خطبات حکیم الاسلام جلد ۳ ص ۲۲۵، ۲۲۳)

اختلافِ رائے اور احترام

حضرت قاری صاحبؒ کو معمولی باتوں پر بالعموم عوام کا اور بالخصوص علماء کا آپس میں لڑنا اور تماشا کرنا بالکل پسند نہ تھا، اس کے علاوہ فروعی مسائل میں غلو کی وجہ سے ائمہؒ متبوعین اور سلف صالحین کی بے احترامی سے آپؒ سخت نالاں تھے۔ فرماتے تھے: "حضرات صحابہ کے درمیان بھی اختلافات تھے، لیکن باوجود اس کے ادب و احترام اور عظمت و تعظیم میں ذرہ برابر کمی نہ کی، اس لیے کہ ہمارے یہاں جھگڑوں کی وجہ مسائل کی خاصیت نہیں ہے، بلکہ ہمارے نفسانی جذبات ہیں، ہم نے اپنے جذبات کو نکالنے کے لیے مسائل کو آڑ بنا رکھا ہے۔ اگر یہ مسائل کی خاصیت ہوتی تو سب سے پہلے صحابہ کرامؓ لڑتے، کیوں کہ ان کے پاس بھی اختلاف تھا، اس کے بعد ائمہؒ مجتہدین کے یہاں لاٹھی چلتی، پھر علماء ربانیین آپس میں لڑتے، مگر اختلاف بھی ہے اور ادب بھی۔ بہر حال آج کل یہ چیز پیدا ہو گئی ہے، بہت گستاخی، جسارت اور جرأت ہو رہی ہے۔"

(خطبات حکیم الاسلام جلد ۳ ص ۲۸۷-۲۸۳)

غیروں کے ستم پر شکوہ کرنا

دوسری اقوام کے مظالم کا شکوہ کرنا کہ فلاں قوم نے اپنی مکاریوں سے ہم پر یہ ستم ڈھایا اور ہماری املاک کو، جان و مال کو اور عزت نفس کو نقصان پہنچایا، قاری صاحبؒ کے خیال میں بیجد فضول ہے۔ اپنے بیشتر خطبات میں وہ اس پر طنز کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ فرماتے ہیں: "آج مسلمان یہ شکایت کرتے ہیں کہ مجھے فلاں سکھ نے ایذاء پہنچائی، فلاں ہندو یا عیسائی نے تکلیف دی، میں کہتا ہوں کہ تمام اقوام عالم کی برائیوں کی ذمہ داری مسلمان پر ہے، کیوں کہ یہ دنیا کے معلم تھے، جب معلم درست ہوں گے تو دوسرے خود بخود درست ہو جاتے ہیں۔ حدیث

میں ہے "الاسلام یعلو و لایعلی علیہ" اسلام غالب ہوتا ہے مغلوب نہیں ہوتا، لیکن جب ہم اسلام کے دائرے میں ہی نہ آئیں گے تو ہم پست ہونگے، ورنہ اسلام میں تو پستی نہیں ہے۔"

(خطبات حکیم الاسلام جلد ۲ ص ۱۷۲)

نظریہ اشاعت علم دین

چوں کہ قاری صاحبؒ کی ساری زندگی کا تعلق تعلیم و تعلّم اور مدارس کے روحانی ماحول سے ہی تھا، اس لیے انکی کئی تقاریر مدرسہ، اساتذہ اور طلبہ وعلم دین سے متعلق ہیں۔ قاری صاحبؒ دینی تعلیم کی اشاعت اور عصری تعلیم کے حصول کے معاملہ میں بھی مثالی فکر کے حامل تھے۔ کہتے ہیں: "میں تو کہتا ہوں کہ ہر خاندان اور گھر میں اگر پانچ بچے ہوں تو آپ چار کو دنیوی تعلیم پڑھوائیں اور کم از کم ایک کو دینی تعلیم کے لیے وقف کر دیں، یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص عالم بنے، لیکن "ضروریات دین" کا علم حاصل کرنا تو ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ روز مرہ کے دینی اعمال فرائض پنج گانہ، زکوۃ حج اور روزہ یہ فرائض ہیں، ان کا علم ہونا فرض ہے۔ اسی طرح یہ کہ میں مسلمان کیوں ہوں؟ مسلمان ہونے کے کیا معنی ہیں؟ اسلام وایمان کے معنی کیا ہیں؟ نیکی اور اخلاق کے کیا معنی ہیں؟ یہ اجمالی باتیں تو ہر ایک پر فرض ہیں، لیکن تفصیلی طور پر عالم بننا یہ ہر ایک پر فرض نہیں ہے، یہ تو سو میں ایک بھی بن گیا تو انشاء اللہ وہ سب کی اصلاح کر دے گا۔ پانچ سو میں ایک ہی ہو جائے تو کافی ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام جلد ۱ ص ۲۴۲)

عصری تعلیمی ادارے اور ان کی مضرت

عصری تعلیمی اداروں اور ان سے پیدا ہونے والے ماحول کے بارے میں قاری صاحبؒ فرماتے ہیں: "ہم کالجوں اور یونیورسٹیوں کے وجود کے خلاف نہیں بلکہ ان کے لادینی ماحول اور مادہ پرستانہ اخلاق و تربیت کے خلاف ہیں، کیوں کہ لادینی اور اخلاقی انارکی محض کالج اور یا محض کسی کتاب کے نوشتوں کا اثر نہیں، بلکہ معلموں کی ناتربیتی اور پست اخلاقیوں کے ماحول کا اثر ہے اور پھر اس تعلیمی ماحول کے بگڑنے ہی سے پورا معاشرہ بگڑ جاتا ہے۔ اس لیے یونیورسٹیاں مضر نہیں، بلکہ ان کا ماحول مضر ہے۔ اگر انہیں یونیورسٹیوں میں مادہ پرستی کے بجائے خدا پرستی کے داعی پیدا ہو جائیں اور مادی ڈھانچوں میں روحانی قدروں کا رنگ بھر دیا جائے تو یہی مادہ ایک صالح تمدن کا جنم دہندہ بن سکتا ہے۔ پس ضرورت کالجوں اور یونیورسٹیوں کے مٹانے کی نہیں بلکہ ان کا

نظام اور ماحول بدلنے کی ہے۔ (خطبات حکیم الاسلام جلد ۳ ص ۲۱۷)

قاری طیب صاحبؒ کے خطبات کی خصوصیات کا تعلق ان کے مطالعہ و مشاہدہ، علم و فضل اور ادراک و شعور، غور و فکر اور جذبۂ ایمان کے علاوہ ادب اور فصاحت و بلاغت کے بہت سے پہلوؤں سے ہے اور یہاں بعض اہم خصوصیات کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے۔ انکے خطبات کے موضوعات کا دامن ان کے علم و فضل کی طرح وسیع ہے۔ اس میں قرآنیات، حدیث، فقہ، کلام، منطق، سماجیات، ادب، اصلاح: غرض سبھی موضوعات سمٹ آتے ہیں۔ موضوعات زیر بحث میں وہ جو کچھ بیان فرماتے ہیں وہ وسیع مطالعہ، گہرے مشاہدے، غیر معمولی تدبر اور اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہوتا ہے۔

حضرت قاری صاحبؒ کے خطبات میں ایسی دلکش اور دل آویز کیفیت ہوتی تھی کہ سامع کو گھٹن اور بیزاری کا احساس بالکل نہیں ہوتا۔ آپؒ کے خطبات طنز و ظرافت کی چاشنی بھی لیے ہوئے ہوتے ہیں، جو باوجود طویل ہونے کے انکے مقبول ہونے کی ایک بڑی وجہ ہے۔ ادبی اعتبار سے خطبات حکیم الاسلام اپنی منفرد جامعیت کے حامل ہیں اور کہا جاسکتا ہے کہ سادہ اسلوب، سادہ زبان اور سادہ طرز بیان کیساتھ سلاست و سادگی کا ایک خوبصورت نمونہ ہے۔ خطبات کے جملے بالعموم چھوٹے ہوتے ہیں اور انکی تراکیب میں سادگی کیساتھ کہیں کہیں ندرت بھی ملتی ہے اور عربی و فارسی کے الفاظ کا استعمال بھی کہ وہ ان جیسے دیوبند کے پروردہ شخص کے لیے تقریباً ناگریز تھا۔

خطبات کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ قاری صاحب نے مسلم سماج سے متعلقہ تقریباً سبھی مسائل پر غور کیا ہے اور انکی اصلاح کی بھرپور کوشش کی ہے۔ چوں کہ ان کی عملی زندگی اسلامی تعلیمات کی آئینہ دار تھی، انہیں اسلامی اقدار کا پاس تھا، ان کی حمیت ایمانی مثالی تھی اور انکا قلب ملت اسلامیہ کی زبوں حالی سے بے چین تھا، اس لیے انکی تقاریر میں ایک عجیب طرح کی تاثیر تھی، جو دل و دماغ پر اثر انداز ہوکر سوچنے پر اور سنجیدہ ہونے پر مجبور کرتی تھیں۔ آج بھی جب ہم ان خطبات کا مطالعہ کرتے ہیں تو قلب و روح کی عجیب حالت ہونے لگتی ہے۔ یہی وجہ ہے بعد کے بہت سے مقررین نے ان کے انداز خطبات کو اپنانے کی کوشش کی اور عوام میں مقبولیت حاصل کی۔ اس لحاظ سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قاری صاحبؒ کے خطبات نے جہاں عوام میں اسلامی روح اور شعوری بیداری پیدا کرنے میں نمایاں حصہ لیا، وہیں انکے ذریعہ بہت سے خطباء بھی تیار ہوئے، جنہوں نے ان کو دیکھ کر، ان کو سن کر اور ان کو پڑھ کر ان کے انداز کو اپنایا، ان کے درد،

ان کے جذبہ کو اپنے سینہ میں منتقل کیا اور انہی کے طرز پر عوام کی اصلاح کے لیے سرگرم عمل ہوئے۔ اس اعتبار سے اگر یہ کہا جائے تو بالکل بے جانہ ہوگا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی اصلاح اور ان میں اسلامی بیداری پیدا کرنے میں قاری صاحبؒ کے خطبات کا بیحد اہم اور نمایاں کردار رہا ہے، جس کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

صفا کی توسیع اشاعت

آپ کے اس میں حصہ لینے کا مطلب:

☆ اردو کے گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کرنا ہے۔
☆ علوم نبوت اور دینی دعوت کو عام کرنا ہے۔
☆ تعمیری اور اصلاحی پیغام کو ہر در اور ہر گھر تک پہنچانا ہے
☆ جدید دنیا کے جدید مسائل سے واقفیت حاصل کرنا ہے۔
☆ کلمہ کی اساس اور بنیاد پر اپنے جذبۂ اخوت کو پروان چڑھانا اور ملّی شناخت کی عظمت کو پہچاننا ہے۔
☆ شہری زندگی کے اصول وآداب کو جاننا ہے۔

امید ہے کہ آپ اپنا یہ حصہ پوری دردمندی اور فکرمندی کے ساتھ ادا فرمائیں گے، اور کم از کم پانچ خریدار بنا کر "صفا" سے "وفا" کی راہ ہموار فرمائیں گے۔

امتحاں ہے تیرے ایثار کا خودداری کا

عمومی سالانہ زرِ تعاون /۸۰ خصوصی سالانہ زرِ تعاون /۵۰۰

ادارہ

چودھویں صدی ہجری کے

مشاہیر علماء ہند

مولانا محمد عابد ندوی جدہ

شاہ بدرالدین مجیبیؒ

سن ولادت ۱۲۶۸ھ　　　　سن وفات ۱۳۴۳ھ

مولانا شاہ بدرالدین جعفری، والد کا نام شرف الدین، بڑے بزرگ آدمی تھے، خانقاہ مجیبیہ کے سجادہ نشین اور حضورؐ کے بعض آثار مبارکہ کے محافظ تھے۔ سلسلۂ نسب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی سیدنا حضرت جعفر طیارؓ تک پہونچتا ہے۔

۱۲۶۸ھ میں آپؒ کی ولادت ہوئی، مشیخت اور علم کے ماحول میں پرورش پائی، اپنے والد صاحب کے علاوہ شیخ نعمت مجیب اور اپنے خسر علی حبیب سے علم حاصل کیا اور مولانا عین الحق پھلواری کے بعد آپ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف میں سجادہ نشیں ہو گئے۔

رشد و اصلاح میں آپ کو بڑا قبول حاصل ہوا، طالبین دور دراز شہروں سے آپؒ کے پاس آتے، آپ کے علم، زہد و تقویٰ، پاکیزگیٔ نفس، حق گوئی میں آپ کی جرأت اور مسلمانوں کے لیے دردمندی و خیرخواہی کی بڑی شہرت تھی۔ چنانچہ جب بہار میں امارت شرعیہ قائم ہوئی تو آپ ہی اس کے پہلے "امیر شریعت" منتخب ہوئے۔ مولانا احمد علی مونگیری کی وفات کے بعد آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے سرپرست بھی منتخب کئے گئے۔

انگریزی حکومت نے آپؒ کو "شمس العلماء" کا خطاب دیا، جسے آپ نے بکراہت خاطر قبول فرمایا، پھر جب اسلام اور مسلمانوں سے انگریزوں کی دشمنی اور خلافت اسلامیہ اور حکومت عثمانیہ سے ان کا عناد ظاہر ہوا تو آپ نے ان کی سیاست اور ان کے ظلم و جور پر احتجاجاً اور ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے یہ خطاب واپس کر دیا۔ مولانا عبدالحیؒ لکھنوی لکھتے ہیں: "میں نے ان سے پھلواری شریف میں ملاقات کی اور ان کو سچا بزرگ، دوست نواز، بہترین اخلاق و کردار کا حامل، خوش خو، بہجد عبادت گذار، دینی کتب کے مطالعہ کا غیر معمولی شائق پایا اور ان کے چہرہ پر قبول و توفیق الٰہی کے درخشاں آثار دیکھے۔"

۱۶ صفر ۱۳۴۳ہجری میں انتقال ہوا اور خانقاہ ہی میں تدفین عمل میں آئی۔

مولانا برکات احمد ٹونکی

ولادت ۱۲۷۹ھ
وفات ۱۳۴۷ھ

مولانا برکات احمد، والد کا نام دائم علی، وطن ٹونک منطق و فلسفہ کے مشہور علماء و ماہرین میں ہیں۔ آباء واجداد بہار کے رہنے والے تھے جو ٹونک میں مقیم ہو گئے تھے۔ ۱۲۷۹ھ کو "ٹونک" میں ولادت ہوئی، کچھ دنوں اپنے شہر ہی میں والد کے علاوہ محمد حسن خاں معسکری سے علم حاصل کیا، اور ان کی صحبت اختیار کی پھر دہلی روانہ ہوئے اور حکیم غلام نجیب خاں دہلوی سے فن طب سیکھا، پھر بھوپال گئے اور مولانا ایوب پھلتی سے صحاح ستہ پڑھی، اسکے بعد وطن واپس ہوئے۔ وہاں دار الشفاء کے ذمہ دار بنائے گئے اور مکمل طور پر تدریس کے لیے یکسو ہو گئے۔ ایک طویل مدت تک درس دیتے رہے، یہاں تک کہ متبحر اساتذہ میں آپ کا شمار ہونے لگا۔ علوم عقلیہ میں تدریس گویا آپ پر ختم تھی۔ طلبہ دور دور سے آپ کے پاس آتے۔ اہل علم و فضل کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے سند فراغت حاصل کیا، جن کا شمار بعد میں بڑے بڑے اساتذہ میں ہوا۔ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی بھی آپ کے شاگردوں میں ہیں۔

اہل حدیث کے مقابلہ میں بہت متشدد تھے۔ فلسفہ میں بہت غلو تھا، لیکن اخیر زندگی میں مشائخ وصوفیہ اور اہل قلوب کی طرف متوجہ ہوئے بعض اوقات جذب واستغراق کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ مطالعہ سے بڑی دلچسپی تھی جس شب میں انتقال ہوا، اس شب تک بھی مطالعہ کا سلسلہ رہا۔

آپ کی کتابوں میں فلسفہ میں "القول الضابط فی تحقیق وجود الرابط" اور "امام الکلام فی تحقیق الاجسام" نیز تصوف میں "الانہار الاربعۃ" اہم تالیفات ہیں۔

ربیع الاول ۱۳۴۷ھ میں وفات ہوئی۔

علامہ حسین بن محسن یمانی

ولادت ۱۲۴۵ھ
وفات ۱۳۲۷ھ

علامہ حسین بن محسن یمانی اپنے وقت کے بڑے محدث اور قاضی تھے۔ سلسلۂ نسب صحابی رسول حضرت سعد انصاری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ ۱۴/ جمادی الاخریٰ ۱۲۴۵ ہجری میں شہر "حدیدہ" (یمن) میں ولادت ہوئی۔ سن شعور کو پہونچنے کے بعد حصول تعلیم میں لگ گئے اور ۱۳ سال کی عمر میں قرآن مجید ختم کیا۔ اپنے والد کی وفات کے بعد "مراوعہ" نامی جگہ کا رخ کیا، وہاں

آٹھ سال رہے۔ نحو وغیرہ میں پختگی کے بعد فقہ شافعی کی تعلیم حاصل کرنے لگے اور اس میں مہارت حاصل کرلی، پھر علوم حدیث کی تعلیم شروع کی اور علامہ حسن بن عبد الباری سے سنن ابن ماجہ، نسائی، ابو داؤد، ترمذی، بخاری اور مسلم شریف پڑھی۔ اس کے بعد مفتی زبید اور علامہ سلیمان بن محمد بن عبد الرحمان کی خدمت میں رہے اور ان سے صحاح ستہ کے علاوہ حزب النووی حزب ابن العربی وغیرہ حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ علامہ یمانی ہر سال ان کے پاس جایا کرتے تھے۔ اگر دیر ہو جاتی تو استاد خود ان کو بلاتے۔ اس کے علاوہ آپ کو علامہ قاضی محمد بن علی شوکانی کے فرزند علامہ صفی الدین احمد سے بھی استفادہ کا شرف حاصل ہے۔ وہ جس وقت صنعاء یمن سے کسی ضرورت کی بناء پر "حدیدہ" پہنچے تو جب تک یہاں رہے علامہ یمانی ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے اور ان سے علمی اکتساب کیا، صحاح ستہ کے بعض حصے پڑھے۔ انہوں نے آپ کو عمومی و خصوصی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

ہمیشہ حرمین شریفین خصوصاً مکہ مکرمہ آمد و رفت کا سلسلہ رہتا۔ یہاں آپ کی ملاقات علامہ حافظ محمد بن ناصر حازمی سے بھی ہوئی جو رجب سے ذی الحجہ تک مکہ میں قیام پذیر رہتے تھے۔ آپ ہر سال ان کے پاس تشریف لے جایا کرتے۔ اس طرح آپ نے ان سے مسند دارمی شروع سے اخیر تک نیز صحاح ستہ کا قابل لحاظ حصہ اور علامہ احمد بن عقیلہ کی تمام مسلسلات پڑھیں۔ انہوں نے بھی آپ کو اجازت عطا فرمائی اور دعائیں دیں۔

یمن کے ایک شہر "لحیہ" میں منصب قضا پر مامور کئے گئے، جہاں تقریباً چار سال تک خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ پھر ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک ترکی افسر احمد پاشا نے لحیہ کے سمندروں میں سے موتیاں نکالنے والے تاجروں سے متعین ٹیکس سے زیادہ لینا چاہا اور پھر اس پر زبردستی جواز کا فتویٰ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ علامہ یمانی نے اس سے انکار کر دیا۔ اس کی وجہ سے مذکورہ افسر نے آپ کو سخت تکلیفیں دیں اور تین دنوں تک بھوکا پیاسا دھوپ میں رکھا۔ آپ نے یہ سب کچھ برداشت کیا، لیکن جس بات کو حق سمجھتے تھے، اس کے خلاف فتویٰ دینے پر راضی نہ ہوئے۔ اس کے بعد اس عہدہ سے علاحدگی اختیار کرلی اور کچھ عرصہ بعد ہندوستان آگئے۔

سکندر بیگم کے عہد میں بھوپال آئے اور دو سال رہ کر پھر اپنے وطن چلے گئے اور پانچ سال بعد شاہجہاں بیگم کے زمانہ میں آئے اور چار سال رہ کر وطن چلے گئے پھر پانچ سال بعد یہیں

آگئے اور بھوپال ہی کو اپنا وطن بنالیا۔ یہاں کے زمانۂ قیام کے درمیان ہندوستان کے ہر گوشہ میں آپ کی شہرت ہوگئی اور بہت سے لوگوں نے آپ سے علم حاصل کیا، جن میں نواب صدیق حسن خاں قنوجی، مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا شمس الحق عظیم آبادی، مولانا عبدالحی حسنی لکھنوی، مولانا عبداللہ غازیپوری، مولانا عبدالعزیز رحیم آبادی، مولانا سلامت اللہ جیراجپوری، مولانا وحید الزماں حیدرآبادی، مولانا طیب بن صالح مکی، مولانا ابوالخیر احمد بن عثمان مکی اور مولانا اسحاق بن عبدالرحمان نجدی جیسے علماء شامل ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے بیشمار علماء آپ کے تلامذہ میں ہیں۔

تصنیف و تالیف سے زیادہ شغف نہیں رکھتے تھے، تاہم آپ کے بعض جامع رسائل اور طویل علمی تحقیقات ہیں جو ایک جلد میں جمع کردی گئی ہیں، نیز سنن ابی داؤد پر تعلیق بھی ہے۔ اخیر عمر میں لکھنؤ سے زیادہ آمد و رفت رہتی تھی۔ مولانا عبدالحی لکھنوی کے گھر آیا کرتے تھے اور ان کو بہت چاہتے تھے۔ وفات سے تقریباً چار ماہ قبل لکھنؤ آئے، ایک ماہ یا کچھ کم یہاں مقیم رہے، پھر مولانا حبیب الرحمان شیروانی کے بلانے پر حبیب گنج تشریف لے گئے۔ وہاں ان کے پاس چار مہینے ٹھہرے اور جمادی الاول کے اخیر میں ان کی تمیز ان کو بھوپال لے گئی، جہاں پندرہ دن سے زیادہ نہ رہ سکے کہ انتقال ہوگیا۔ وفات سے تقریباً دس گھنٹے پہلے ۱۰ر جمادی الاخری ۱۳۲۷ھ کو منگل کے دن دوست واحباب سے ملاقات کو نکلے تھے اس وقت ان کی حالت بالکل ٹھیک تھی۔ آپ نے احباب سے حسن خاتمہ کے لیے دعا کی درخواست کی، پھر اپنے بچوں کے مکان گئے، گویا وہ ان سے رخصت ہورہے ہوں۔ یہ سب کچھ ٹھہرتے عصر تک کیا۔ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے بیٹے عبداللہ کے گھر لوٹے۔ وہاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں آپ کے سامنے ایک سوال پیش ہوا کہ حضرت خدیجہؓ کو زمانۂ جاہلیت میں "عبدالعزی" نامی بیٹا تھا یا نہیں؟ آپ نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کو بعض کتابیں لانے کا حکم دیا جو اس مسئلہ کے حل میں معاون تھیں۔ انہوں نے وہ کتابیں پیش کیں۔ آپ نے اس مسئلہ پر بہت خوب املاء کرایا۔ سورج غروب ہونے کے قریب تھا کہ آپ کے بیٹے عبداللہ وضو کرنے کے لیے اٹھے اور آپ اپنے تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، صاحبزادے وضو کرکے لوٹے تو دیکھا کہ اچانک آپ کا سر جھکا۔ آپ اس تکیہ پر لیٹ گئے، پشت کے بل لیٹے ہوئے تھے، ہاتھ اور پاؤں پھیلے ہوئے اور آنکھ کھلی ہوئی، پیشانی پر پسینہ آگیا تھا۔ صاحبزادہ نے سمجھا کہ شاید سوئے ہوئے ہیں۔ حرکت دی تو روح پرواز کر چکی تھی۔ یہ چہار شنبہ کی شب تھی۔ صبح سویرے تدفین عمل میں آئی۔

مولانا حبیب الرحمان سہارنپوریؒ

وفات ۱۳۴۷ھ

مولانا حبیب الرحمان سہارنپوریؒ مشہور علماء میں ہیں۔ سہارنپور میں پیدا ہوئے اور وہیں تربیت پائی۔ اپنے والد مولانا احمد علی کے علاوہ دوسرے علماء سے بھی کسب فیض کیا اور والد کی زندگی ہی میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ والد کے بعد مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں تدریس کے لیے مامور کیے گئے۔ یہاں کچھ مدت تک درس دیتے رہے۔ ربیع الاول ۱۳۱۴ھ میں اس سے مستعفی ہوگئے۔ حیدرآباد کا رخ کیا اور یہاں "دارالعلوم" میں مدرس ہوگئے۔

شاعر بھی تھے۔ بہت پرگو تھے اور خوب کہتے تھے۔ ۱۶ر محرم ۱۳۴۷ھ کو حیدرآباد ہی میں وفات ہوئی۔

مولانا سید حسین بلگرامی

ولادت ۱۲۶۰ھ وفات ۱۳۴۴ھ

نواب عماد الدولہ عماد الملک، سید حسین بن کرامت حسین حسینی، بلگرامی، علی یارخاں بہادر مؤتمن جنگ اپنے زمانہ کے مشہور لوگوں میں ہیں۔ ۱۲۶۰ھ میں شہر "گیا" میں ولادت ہوئی۔ بچپن سے علم حاصل کرنے میں مشغول رہے۔ کچھ دنوں عربی علوم پڑھا۔ بھاگلپور کے انگریزی اسکول میں داخل ہوئے، پھر عظیم آباد کی عصری تعلیم گاہ میں ۱۲۸۳ھ میں امتیازی کامیابی حاصل کی۔ آپ کے والد نے کسی سرکاری ملازمت میں آپ کو ڈالنا چاہا، لیکن علمی مشاغل اور رغبت کی وجہ سے آپ اس پر راضی نہ ہوئے اور لکھنؤ کالج میں تدریسی فرائض پر مامور ہوئے اور اس کے ساتھ ساتھ علوم عربیہ کے واقف کاروں سے تحصیل علم، مطالعہ کتب اور علمی جستجو میں مصروف رہے۔ اس میں خوب محنت کی یہاں تک کہ انگریزی اور عربی کی مہارت میں آپ کو بڑا شہرہ حاصل ہوا۔ وزیراعظم نواب مختار الملک دکن نے آپ کو حیدرآباد بلوایا اور اپنے قریب رکھا، درجہ بدرجہ ترقی دی، حتی کہ والی دکن کا خصوصی سکریٹری اور تمام مدارس کا ڈائرکٹر مقرر کیا۔ نیز ۱۳۰۱ھ میں عماد الدولہ اور ۱۳۰۴ھ میں "عماد الملک" کا لقب دیا، ایک ہزار کا وظیفہ متعین ہوا، پھر اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ چنانچہ خود ان کا وظیفہ ۱۳۵۰۰ اور گھوڑی کا ۲۵۰۰ تک ہوگیا۔ اخیر میں وظیفۂ حسن خدمت پر سبکدوش ہوگئے اور لندن چلے گئے۔ وہاں ہندوستانی کابینہ کے خصوصی رکن ہوگئے۔ کچھ دنوں وہیں مقیم رہنے کے بعد حیدرآباد لوٹ آئے اور یہیں سکونت اختیار کرلی۔

حیدر آباد میں جب یوسف علی نے عہدۂ وزارت سنبھالا تو والی دکن نے آپ کو ان کی کمسنی کے پیش نظر مشیر مقرر کیا۔ چنانچہ تقریباً دو سال تک اس خدمت پر مامور رہے، پھر اس سے علاحدہ گئے اور اپنے اوقات کو انگریزی میں قرآن کا ترجمہ کرنے کے لیے فارغ کر لیا۔ چوں کہ آپ کی بینائی کمزور اور صحت بھی متاثر ہوئی تھی، اس لیے یہ کام پایۂ تکمیل کو نہ پہونچ سکا اور صرف ۱۶ پارے ہی مکمل ہو سکے۔

مولانا سید حسین بلگرامی انگریزی ادب وانشاء اور اسلوب پر دسترس اور بصیرت کے لحاظ سے اپنے زمانہ کے نادر لوگوں میں تھے۔ بہترین ادیب، شستہ و رواں انشاء پرداز اور قادر الکلام مترجم تھے، انگریزی میں نثر بھی لکھتے تھے، فرانسیسی زبان میں بھی مہارت تھی، عربی ادب اور جاہلیت عرب کے اشعار واسلوب سے بھی واقف تھے اور اشعار بکثرت یاد تھے۔ مطالعہ اور نادر کتابوں کے جمع کرنے سے بڑا لگاؤ تھا۔ علمی بحثوں اور دقیق مسائل کی تحقیق سے بڑا شغف تھا۔ خوش اخلاق اور متواضع مزاج تھے۔ طلباء کو بہت چاہتے، علماء کی عزت کرتے، ان کی مجلسوں میں بیٹھتے اور ان سے علمی گفتگو اور تبادلۂ خیال کرتے تھے۔ ۲۲ ذی قعدہ ۱۳۴۰ھ میں وفات ہوئی۔

مولانا حبیب الرحمان عثمانی

وفات ۱۳۴۸ھ

مولانا فضل الرحمان صاحب عثمانی کے فرزند ارجمند اور مفتی عزیز الرحمان عثمانی کے برادر عزیز ہیں۔ دیوبند میں ولادت ہوئی۔ تعلیم بھی شروع سے آخر تک دارالعلوم دیوبند ہی میں حاصل کی۔ ۱۳۰۰ھ میں تعلیم سے فراغت پائی۔ ۱۳۲۵ھ میں مولانا حافظ محمد احمد صاحب کی مصروفیتوں اور دارالعلوم کی مزید ترقی کے لیے باصلاحیت منتظم کی ضرورت پیش آئی۔ اس وقت آپ ہی کا انتخاب کیا گیا اور انکار کے باوجود آپ ہی کو نائب مہتمم بنایا گیا۔ ان کے حسن انتظام اور بیدار مغزی کی وجہ سے دارالعلوم کو بہت ترقی ہوئی۔ شعبۂ انتظام کو اتنا مستحکم کر دیا کہ ایک مرتبہ نواب صدر یار جنگ حسابات کی تنقیح کے لیے دارالعلوم آئے تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ایک ایک دو دو آنے کے حسابات کے غذات اور رسائد بھی باضابطہ فائل میں موجود ہیں اور انہی کا بیان ہے کہ کوئی کاغذ ایسا نہ تھا جو مانگا گیا ہو اور فوراً پیش نہ کر دیا گیا ہو۔

۱۳۴۴ھ میں مولانا حافظ محمد احمد صاحب اپنی پیرانہ سالی کے باعث حیدر آباد میں "مفتی اعظم" کے عہدہ سے علاحدہ ہو گئے تو ان کی جگہ آپ کا تقرر ہوا۔ ایک سال تک اسی منصب

پر فائز رہے، پھر دیوبند کے داخلی اختلافات کے سبب دارالعلوم آگئے اور اپنے تدبر اور دانشمندی سے اس نازک موقع پر دارالعلوم کی حفاظت کی۔ مولانا حافظ محمد احمد صاحب کی وفات کے بعد ایک عرصہ تک مہتمم بھی رہے۔

ان کی سیاسی بصیرت کا حال یہ تھا کہ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی نے وصیت فرمائی تھی کہ جمعیۃ علماء ہند کو دو آدمیوں کو بھی نہیں چھوڑنا چاہئے۔ ان میں میں پہلا نام آپ ہی کا تھا۔ چنانچہ آپ ہمیشہ جمعیۃ کے مشیر رہے۔ ۱۳۴۰ھ میں صوبہ بہار میں جمعیۃ العلماء کے اجلاس کی صدارت فرمائی۔ اس میں آپ نے جو صدارتی خطبہ دیا وہ نہ صرف یہ کہ عوام میں مقبول ہوا بلکہ سیاسی حلقوں میں بھی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔

انتظامی مصروفیات کے باوجود برابر مطالعہ کا شغف بھی رہا، عربی زبان وادب کا خاص ذوق تھا۔ مولانا سید انورشاہ کشمیریؒ نے آپ کے متعلق فرمایا: "اگر مجھ پر کسی کے علم کا اثر پڑتا ہے تو وہ مولانا حبیب الرحمان ہیں۔"

آپکی تصنیفات میں "مشورہ کی اہمیت"، "اسلام کیوں کر پھیلا؟"، "تعلیمات اسلام" اور "قصائد لامیہ" ہے، جس میں تین سو نعتیہ اشعار ہیں، ان میں سو معجزات کا بھی تذکرہ ہے، مولانا اعزاز علی صاحب نے اس کی اردو شرح بھی کی ہے۔ نیز مقامات حریری پر بڑا عمدہ حاشیہ ہے۔

۴/رجب ۱۳۴۸ھ میں وفات ہوئی۔

مولانا حیدر حسن خان ٹونکی

ولادت ۱۲۸۱ھ　　　وفات ۱۳۶۱ھ

والد کا نام احمد حسن ہے۔ ۱۲۸۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ٹونک میں پرورش پائی اور اپنے بھائیوں میں محمد حسن، محمود حسن اور مولانا عبدالکریم صاحب سے کسب علم کیا پھر لاہور کا سفر کیا اور غلام احمد نعمانی لاہوری کے ساتھ ایک مدت تک رہے اور مدرسہ نعمانیہ میں ان سے بھی تعلیم حاصل کی۔ اسکے بعد علامہ حسین بن محسن یمانی اور محدث نذیر حسین دہلوی سے علم حدیث میں کسب فیض اور اپنے شہر لوٹ آئے اور یہاں "مدرسہ ناصریہ" میں تدریسی فرائض انجام دینے لگے۔

فقہ واصول، علم کلام اور علوم حدیث میں بڑی مہارت تھی۔ اپنی مشغولیتوں اور دوسرے کاموں کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ درس وافادہ کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ متوکل آدمی تھے، جو

کچھ میسر ہوتا اس پر قناعت کرتے۔ مولانا عبدالحئی حسنی نے جب آپ کے علمی تبحر کو سنا تو انہیں اپنے یہاں آنے کی دعوت دی، تاکہ انہیں دارالعلوم میں حدیث کا استاذ بنائیں۔ مولانا حیدر حسن ٹونکی نے اپنی ان خدمت کو جو وہ اپنے شہر میں انجام دے رہے تھے ترجیح دیتے ہوئے کئی مرتبہ معذرت کی اور جو کچھ یہاں میسر تھا اس پر قانع رہے، پھر بالآخر مولانا لکھنوی اور ان کے خاندان سے قدیم تعلق کی بناء پر اس خواہش کو قبول کر لیا اور دارالعلوم آگئے۔ چنانچہ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ سے تقریباً سترہ سال تک صحاح ستہ وغیرہ کا درس دیا اور حدیث شریف کی تدریس و تحقیق اور تصنیف و تالیف وغیرہ کے ذریعہ خدمت کی۔ پوری یکسوئی کے ساتھ بہ جان و دل درس وافادہ اور بحث و مطالعہ میں لگے رہے۔ ربیع الاول ۱۳۵۱ھ میں دارالعلوم کی نظامت آپ کو سونپی گئی۔ چنانچہ تدریس و انتظام دونوں کو پوری محنت و سعی اور اخلاص و نیک نیتی کے ساتھ سنبھالتے رہے، یہاں تک کہ وطن کی محبت نے وطن واپس جانے پر اکسایا اور ۳؍ ذی الحجہ ۱۳۵۸ھ کو دارالعلوم کی خدمت سے سبکدوش ہو کر وطن چلے گئے اور وہیں زہد و عبادت اور ذکر و تلاوت کے ساتھ ساتھ اخیر عمر تک حدیث شریف کے درس و تدریس کا سلسلہ بھی رکھا۔

مولانا حیدر حسن خان ٹونکی اپنے عہد کے جید علماء اور تربیت کی خاص صلاحیت کے حامل اساتذہ میں تھے۔ نوجوانی ہی کی عمر میں حج و زیارت کی سعادت ہوئی۔ وہیں مکہ میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت ہوئے اور اجازت بھی ملی۔ آپ ان کی طریقت اور اوراد و اذکار پر تا حیات قائم رہے۔ بہت عبادت گذار تھے۔ راتوں میں طویل قرأت و قیام اور طویل سجدوں کے ساتھ نمازیں پڑھتے۔ دعا اور آہ و زاری بہت کرتے۔ دل گداز لہجہ میں آہستہ آہستہ تجوید کے ساتھ قرآن پڑھا کرتے۔ قرأت عشرہ میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا۔ چنانچہ خود اپنے شہر میں تعلیم قرآن کے لیے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی اور لکھنؤ سے بڑے بڑے اساتذہ کو بلوایا۔

علوم عقلیہ میں بھی آپ کو مہارت حاصل تھی۔ غور و فکر اور گہرائی کے ساتھ اس کا مطالعہ کرتے۔ علوم بلاغت اور نحو میں بڑا رسوخ تھا۔ جامیٹری، فلکیات اور ہیئت میں بھی ماہر تھے اور بڑی مہارت کے ساتھ ان فنون کی امہات کتب کا درس دیتے تھے۔ مسلکاً متصلب حنفی تھے۔ امام ابو حنیفہؒ سے بڑی محبت اور عقیدت رکھتے، مگر اس کے ساتھ ساتھ دوسرے ائمہ کا احترام بھی ملحوظ رکھتے۔ امام بخاری کے فضل و عظمت کا اعتراف کرتے اور بخاری کا درس دینے کے ساتھ ان پر اور ان کی کتاب پر نقد مکمل فرماتے۔ حدیث میں آپ کا طریقۂ درس فقہاء کے

مقابلہ محدثین کے طریقۂ تعلیم سے مماثلت رکھتا تھا: چنانچہ تمام مذاہب اور ان دلائل کا تذکرہ کرتے اور ان کی تائیدی احادیث کا ذکر فرماتے، پھر اس میں ایسا فیصلہ فرماتے جو اصول ورجال کے علم پر مبنی ہوتا اور جس میں بہت زیادہ منطقی دلائل اور عقلی تعلیلات بھی ہوتیں۔اس معاملہ میں آپ کا وہی طریقۂ کار تھا جو علامہ محمد بن علی شوکانی کا "نیل الاوطار" میں ہے، جو ان کے استاذ الاستاذ تھے۔ علماء یمن کی کتابوں کو ترجیح دیتے جیسے سید محمد بن ابراہیم، محمد بن اسماعیل صنعانی اور علامہ مقبلی وغیرہ۔ مذہب حنفی کے شدید حامی ہونے کے باوجود اہلحدیث شاگردوں کے ساتھ بہت مشفق اور احباب کے محب تھے۔ لباس وپوشاک میں سادہ، افغانی طریقہ کے مطابق عمامہ کے پابند، میانہ قد، سرخ رنگ، روشن چہرہ جس سے شب بیداری اور عبادت کے آثار نمایاں رہتے۔ جو بھی دیکھتا احترام کرتا اور محبت سے پیش آتا۔

بعض اختلافی مسائل میں آپ کے چھ رسائل ہیں جن میں رفع یدین، صاع کی تحقیق اور حجاب شرعی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ۱۵؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۱ھ کو آپ کی وفات ہوئی اور ٹونک ہی میں "موتی باغ" نامی مشہور مقبرہ میں مدفون ہوئے۔

مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی

ولادت ۱۲۸۳ھ　　　　وفات ۱۳۷۰ھ

مولانا حبیب الرحمان بن محمد تقی شروانی حنفی، ہندوستان کے مشہور علماء میں ہیں۔ ۲۸؍ شعبان ۱۲۸۳ھ کو بھیکن پور علی گڑھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد اور چچا نواب عبد الشکور خاں کے زیر سایہ راحت و آرام میں پرورش پائی۔ والد صاحب نے آپ کے نام پر "حبیب گنج" کے نام سے ایک گاؤں آباد کیا اور وہاں آپ کی سکونت کی خاطر ایک قلعہ کی بھی بنیاد ڈالی۔

بچپن ہی سے رشد وسعادت مندی کی علامتیں عیاں تھیں۔ چنانچہ ابتداء میں چھ دنوں تک مولوی عبد الغنی قائم گنجی سے علمی اکتساب میں مشغول رہے۔ مفتی لطف اللہ کوئلی سے بھی علم حاصل کیا۔ مدرسۃ العلوم علی گڑھ اور آگرہ کے مدرسہ میں انگریزی زبان سیکھی اور شعر وسخن کی تربیت پائی۔ اسکے بعد علوم شرعیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور محدث علامہ حسین بن محسن انصاری کو بھوپال سے بلوایا اور ان سے پورے تدبر کے ساتھ صحاح پڑھی اور ان سے حدیث کی اجازت حاصل کی۔ ان کے علاوہ غالباً مولانا عبد الرحمان پانی پتی سے بھی آپ کو اجازت حدیث حاصل ہے۔ ۲۱؍ رجب

۱۳۰۵ھ میں مراد آباد آئے اور حضرت مولانا فضل رحمان گنج مراد آبادی سے بیعت ہوئے۔

میر عثمان علی خاں والی دکن نے آپ کی خوبیوں کی وجہ سے ۱۳۳۶ھ میں از خود طلب کیا اور مذہبی امور اور اسلامی اوقاف کا آپ کو وزیر بنایا اور آپ کا خصوصی اکرام کیا۔ چنانچہ ۱۲/ سال تک آپ اس منصب پر فائز رہے اور ملک و قوم کی بے پناہ خدمت کی اور بیک وقت حکومت کے معتمد اور اہل علم و دین کے ممدوح بنے رہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد کی تاسیس میں آپ کا بڑا حصہ ہے، جس نے پہلی مرتبہ اردو زبان میں علوم وفنون کی تدریس کا نظم کیا۔ اس یونیورسٹی کے اندر دینیات کا شعبہ قائم کرنے میں بھی آپ کا نمایاں حصہ ہے، جس نے علوم عصریہ اور علوم دینیہ کی جامع شخصیتوں کو پیدا کرنے میں بڑا کردار ادا کیا۔

۱۳۴۸ھ میں وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوگئے اور اپنے گھر رہنے لگے۔ اس زمانہ میں بھی آپ کا اکرام واحترام باقی تھا۔ کتابوں کے مطالعہ میں مصروف رہتے۔ نفیس کتابیں جمع کرتے۔ دینی مراکز اور تعلیمی مساعی کی خدمت کرتے حسن خلق، دینی علوم اور عبادتوں سے اشتغال ، فرائض کی پابندی، ضرورتمندوں کی حاجت روائی اور مسلمانوں کی اصلاح و کوشش کے علاوہ آپکی اور بہت سی خوبیاں ہیں؛ اس معاملہ میں بہت کم لوگ ان کے ہمسر ہو سکتے ہیں۔ ۱۳۴۴ھ میں اللہ تعالی نے حج کی توفیق عطا فرمائی۔ حج کے بعد مدینہ منورہ کی زیارت کی اور وہاں کے علماء اور کتب خانوں سے استفادہ کیا۔ حرمین شریفین اور مدینۃ الرسول کے باشندوں کا بڑا اکرام واحترام کرتے۔

ندوۃ العلماء کی طرف اس کے قیام سے لے کر اپنی اخیر عمر تک بڑی توجہ رہی۔ اس کی کمیٹی کے رکن بھی رہے۔ تین بار اس کے سالانہ جلسوں کے لیے صدر منتخب ہوئے۔ وہ اس کے اہم ترین ارکان عاملہ میں تھے اور اس کی تعلیمی اور اصلاحی تحریک سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔ ندوۃ العلماء کے ترجمان کی حیثیت سے جب ۱۳۲۲ھ میں "الندوہ" کا اجراء ہوا تو آپ اور علامہ شبلی نعمانی "مدیر تحریر" منتخب کئے گئے۔ مدرسۃ العلوم علی گڈھ سے بھی دیرینہ اور مضبوط روابط تھے۔ جب اس نے "مسلم یونیورسٹی" کی صورت اختیار کی تو اس میں ایک مدت تک شعبۂ دینیات کے "اعزازی صدر" بھی رہے۔ یونیورسٹی نے علوم مرتبت اور علم ودین میں آپ کی بہترین خدمات کے پیش نظر "دینیات" میں ۶/ صفر ۱۳۶۲ھ کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری عطا کی۔ ملک کی مختلف علمی اکاڈمیوں اور ثقافتی اداروں سے تعلقات تھے اور انکی کمیٹیوں میں بہ پابندی شرکت کرتے: چنانچہ دار المصنفین اعظم گڑھ کے دائمی صدر اور دینی تعلیمی کانفرنس علیگڑھ کے جنرل سکریٹری تھے۔

کئی مرتبہ ادبی کانفرنسوں کے صدر بنائے گئے، اس میں آپ نے کئی ایسے خطبے اور لکچرس دیئے جس نے قبولیت اور اہمیت حاصل کی۔

اردو زبان کے صاحب طرز ادیبوں اور شستہ و رواں انشاء پردازوں میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ کی تحریر کا امتیاز، شیریں نویسی، حسن ترتیب، شائستگی، بے تکلفی اور تصنع سے بے نیازی ہے۔ آپ کے خطوط انشاء کے بہترین نمونے ہیں، جس میں بڑی مٹھاس اور لطافت ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گویا بالمشافہ گفتگو ہو رہی ہے۔ پر جوش مقرر بھی تھے۔ خطاب بہت اثر انگیز ہوتا تھا۔ فارسی میں اشعار کہتے تھے۔ فارسی اور اردو شعر و ادب کے بہترین ناقد، وسیع العلم و کثیر المطالعہ مؤرخ اور ماہر مصنف تھے۔

سلف کے آثار، ان کی تحریریں اور نادر کتابوں کے جمع کرنے کا بڑا ذوق تھا۔ انہوں نے ایک مکتبہ قائم کیا جس میں نادر مخطوطات کی بڑی تعداد تھی۔ بذات خود اپنے قلم سے اس کی فہرست بنائی۔ یہ مکتبہ بعد میں علی گڈھ یونیورسٹی میں شامل ہوگیا اور اس کے لیے مکتبہ کا ایک حصہ انہی کے نام سے موسوم کر دیا گیا۔ آپ حضرت شاہ فضل رحمان گنج مراد آبادی سے بہت محبت رکھتے تھے، ہمیشہ ان کا ذکر خیر کرتے۔ اسی طرح اپنے استاذ مولانا لطف اللہ کوئی سے بھی بہت عقیدت تھی۔

بلند قامت، سفید رنگ و روپ، باوقار و بارعب، خوش عیش، جب بھی کسی کام کو کرتے زندگی بھر اسپر ثابت قدم رہتے۔ جب بھی کسی کا اکرام کرتے تو اخیر تک اسکو نبھاتے۔ شفیق و غم خوار تھے۔ سفر و حضر میں مسجد میں نماز باجماعت ادا اور تہجد کے پابند تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کثرت سے درود شریف بھیجا کرتے تھے۔ اوقات کی پابندی اور ساتھیوں کے حقوق کی ادائیگی پر خاص توجہ رکھتے۔ مولانا شیروانی کی یہ وہ تصویر ہے جو صاحب "نزہۃ الخواطر" نے کھینچی ہے۔

اردو میں آپ کی متعدد تصانیف ہیں، جس میں "علماء سلف" اور سیرۃ الصدیق بہت عمدہ ہے۔ اس کے علاوہ "نابینا علماء" ہے جس میں طلبہ کے اندر دلچسپی پیدا کرنے کے لیے نابینا علماء کے حالات جمع کیے ہیں۔ "استاذ العلماء" کے نام سے اپنے استاذِ محترم مولانا لطف اللہ کوئلی کی سوانح ہے اور بہت سے مقالات ہیں جو ان کی زندگی ہی میں مجموعہ کی شکل میں جمع کر دیئے گئے تھے، نیز فارسی اور اردو میں آپ کے اشعار کا مجموعہ بھی ہے۔

۷ ذوقعدہ ۱۳۷۰ھ جمعہ کے دن علیگڑھ میں انتقال ہوا اور حبیب گنج میں مدفون ہوئے۔

فقہی مذاکرہ

خالد سیف اللہ رحمانی

کیا غیر عالم وعظ کہہ سکتا ہے؟

سوال کوئی شخص سند یافتہ عالم نہیں ہے تو وہ وعظ کر سکتا ہے یا نہیں؟

جواب وعظ کے معنی نصیحت اور امر بالمعروف کے ہیں۔ امر بالمعروف کے آداب میں سے یہ ضرور ہے کہ اس کو قرآن و حدیث سے واقف ہونا چاہئے، حدیث میں صحیح و ضعیف سے واقف ہونا چاہئے، احکام و مسائل سے بھی واقف ہونا چاہئے، لیکن اگر کوئی شخص باضابطہ عالم نہ ہو، مسائل پر ان کی نظر نہ ہو، لوگوں کو نصیحت اور ان کو سمجھانے کی عام باتیں جو دین کی متفق علیہ اور مسلم باتیں ہیں کو سمجھا دیا کرے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے، تاہم عام طور پر ہمارے یہاں واعظین اپنے حدود پھلانگ جاتے ہیں، ہوتا یہ ہے کہ ایک شخص وعظ کہتا ہے، لوگوں پر اس کا اثر قائم ہوتا ہے تو لوگ اس سے مسائل پوچھتے ہیں، اب بعض دفعہ یہ خیال آتا ہے کہ اگر ہم اس مسئلے کا جواب نہ دیں تو اس میں ہماری ہتک ہو جائے گی، اندازہ پر جواب دیتا ہے اور جواب میں غلطی ہو جاتی ہیں، کبھی نکتہ آفرینی کا شوق پیدا ہوتا ہے، اس میں آدمی بے محل تفسیر و تشریح کرنے لگتا ہے، کبھی سنی سنائی حدیثیں نقل کرنے لگتا ہے، کبھی اپنے مخاطب کو رلانے اور ہنسانے کے لیے صحابہ سے منقول واقعات میں اپنی طرف سے نمک مرچ لگانا شروع کر دیتا ہے، ان امور سے احتیاط برتی جائے اور وعظ کہا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر محتاط واعظین کے بارے میں فرمایا کہ قیامت میں ان کی زبان قینچیوں سے تراشی جائے گی۔ یہ حکم ایسے ہی غیر محتاط اور فاسد الخیال مقررین وواعظین کے بارے میں ہے۔

انسانی جسم پر پتھروں کا اثر

سوال مختلف قسم کی انگوٹھیاں یا پتھر پہننے کا انسانی جسم پر کوئی اثر ہوتا ہے؟

جواب اس کا تعلق اصل میں طب و حکمت سے ہے۔ پتھر کا انسانی جسم پر کوئی اثر ہوتا ہے یا

نہیں ؟ شریعت میں غالباً اس سے متعلق کوئی بات منقول نہیں ہے۔ اگر کسی پتھر کے بارے میں یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے نافع یا نقصان دہ ہے تو جائز نہیں اور اس کا تعلق عقیدہ سے ہے، لیکن اگر طبی اعتبار سے تجربہ ہو کہ مثلاً کوئی پتھر دوران خون کم کر دیتا ہے، یا جسمانی کیفیت پر یہ کسی اور طرح اثر انداز ہوتا ہے اور ایسا ممکن ہے کیوں کہ جمادات ہی انسانی جسم کے عناصر ہیں، اس لئے ان کا انسانی جسم پر اثر انداز ہونا عجیب نہیں تو یہ طب اور میڈیکل سائنس سے متعلق مسئلہ ہے اور اس میں اطباء کے مشورہ پر عمل کیا جاسکتا ہے۔

زندوں کے لیے مرحوم ومغفور

سوال "مرحوم و مغفور" کیا زندوں کے لیے ان الفاظ کو استعمال کیا جاسکتا ہے؟

جواب اصل میں مرحوم ومغفور دعائیہ کلمہ ہے کہ "اے اللہ اس پر رحم کیا جائے یا اے اللہ اس کو معاف کیا جائے" اس لحاظ سے تو ہر آدمی کو مرحوم و مغفور کہا جاسکتا ہے، لیکن کوئی لفظ جب کسی خاص مقصد کے اظہار کے لیے معروف ہو جائے کہ سننے کے بعد ذہن اسی بات کی طرف منتقل ہوتا ہو تو اس لفظ کو وہیں استعمال کرنا چاہئے، دوسری جگہ استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں بھی اس طرف اشارہ موجود ہے۔ ایک صحابی، رسول اللہ کی خدمت میں آئے اور کہا" وعلیکم السلام"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعبیر کو ناپسند فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ تو مردوں کا سلام ہے، حالانکہ معنی کے اعتبار سے اس میں کوئی غلطی نہیں ہے۔ "السلام علیکم" اور" وعلیکم السلام" کے معنی ایک ہی ہیں، لیکن وعلیکم السلام کا لفظ جواب دینے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مردے سلام سنتے تو ہیں لیکن سلام کا جواب نہیں دے سکتے۔ تو اگر کسی آدمی کو سلام کے بجائے جواب سلام والا فقرہ کہا جائے تو آگے اس کے خاموش رہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں: تو گویا یہ مردوں کا سلام ہو گیا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ناپسند فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایک لفظ چاہے لغوی معنی کے اعتبار سے ناموزون نہ ہو، لیکن اگر وہ اصطلاح ہو گئی ہو اور اس سے خاص اسی اصطلاحی مفہوم کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہو تو دوسری جگہ اس لفظ کا استعمال کرنا مناسب نہیں۔

بعد مغرب کے تمام اہل خانہ کا وظیفہ پڑھنا

روزانہ مغرب کے بعد ہم گھر والے اور بچے مل کر راتب پڑھتے ہیں یعنی مختلف اوراد و

ہو ظائف پڑھتے ہیں، کیا ہمارا یہ طریقہ صحیح ہے؟
جواب اصل میں یہ اس بات پر موقوف ہے کہ کیا وظیفہ پڑھتے ہیں؟ اگر ایسا وظیفہ پڑھتے ہوں جو حدیث سے ثابت ہو یا جس میں مشرکانہ کلمات نہ ہوں، مختلف لوگ اپنے اپنے طور پر انفرادی حیثیت سے پڑھتے ہوں، اجتماعی طور پر نہ پڑھتے ہوں اور واجب کا درجہ دے کر نہ پڑھتے ہوں تو کوئی قباحت نہیں ہے۔ اگر ایسے کلمات ہوں جو اسلامی عقیدہ سے ہم آہنگ نہ ہوں، اجتماعی طور پر ہم آواز ہو کر پڑھتے ہوں یا واجب کا درجہ دے رکھا ہو تو اس طرح پڑھنا مناسب نہیں ہے، مختلف لوگ اپنے اپنے طور پر پڑھ لیں یہ زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ اوراد و ظائف کا پڑھنا انفرادی عمل ہے نہ کہ اجتماعی، اور وظائف کو آہستہ پڑھنا چاہئے کہ اس میں ریا کا اندیشہ کم ہے، فقہاء محققین نے جہر کے ساتھ ذکر کو مکروہ اور بدعت کہا ہے۔

عشاء کے بعد وعظ اور دینی درس

سوال بعد نماز عشاء کیا وعظ یا دینی درس دے سکتے ہیں؟ جب کہ ایک حدیث نظر سے گذری کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع کیا کہ عشاء کے بعد مجھ سے کوئی نہ پوچھے، میرا وقت میرے گھر والوں کے لیے ہے۔
جواب یہ روایت اس تفصیل کے ساتھ تو میری نظر سے نہیں گذری ہے، یہ ضرور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کے بعد بات چیت کرنے سے منع فرمایا ہے۔ اسکو "سمر" کہتے ہیں۔ عربی زبان میں سمر کے معنی اصل میں چاندنی کے آتے ہیں۔ اسلام سے پہلے عربوں کا طریقہ تھا کہ چاندنی رات میں وہ کھلی جگہ پر بیٹھ جاتے، دیر گئے تک شراب پیتے، قصہ کہانی سناتے، داستان گوئیاں کرتے اور اشعار پڑھتے: اس کو "سمر" کہا جاتا تھا اور ظاہر ہے کہ عشاء کے بعد جو لوگ دیر تک مصروفِ گفتگو رہیں فجر کی نماز ان کے لیے ادا کرنی مشکل ہے، اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کے بعد لایعنی گفتگو کرنے سے منع فرمایا ہے۔ ایسی گفتگو جو جائز ہو، دینی امور سے متعلق ہو یا تعلیم و تعلّم کی ہو، جائز ہے۔ امام بخاری اور امام ترمذیؒ نے اپنی کتابوں میں مستقل عنوان اس کا قائم کیا ہے اور اس میں روایت نقل کی ہے کہ کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے ساتھ کچھ گفتگو فرمایا کرتے تھے اور مشورے لیا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز کے بعد بھی دینی امور پر گفتگو کرنا جائز ہے، اسی طرح بعض اوقات

ازواج مطہرات سے آپؐ کی گفتگو ہوتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ضروری امور پر بھی بات کی جاسکتی ہے، گو اسکا تعلق احکام دین سے نہ ہو۔ البتہ آج کل بعض لوگ وعظ میں خواہ مخواہ طول برتتے ہیں اور اتنی رات تک سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہیں کہ سامعین کی نماز فجر قضا ہو جاتی ہے۔ خاص کر شب قدر وغیرہ میں یہ معمول سا بن گیا ہے: یہ کسی طرح صحیح نہیں ہے اور نہ دین کی ضروری باتوں کے بتانے کے لیے اتنی طویل تقریر درکار ہے۔

نکاح بغیر گواہ

سوال ایک لڑکا اور ایک لڑکی دونوں اجنبی ہیں جو ایک جنگل میں ملتے ہیں اور دونوں راضی ہو جاتے ہیں، دونوں حرام فعل کرنا نہیں چاہتے اور دوسرا کوئی آدمی اس جنگل میں نہیں رہتا ہے اور دونوں کو پڑھنا بھی نہیں آتا ہے، آبادی بہت دور میں ہے، یہاں نفس پر قابو نہیں پا سکتے، ایسی صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ شریعت سے معلوم کریں۔

جواب اصل میں شریعت اس بات کا نام نہیں ہے کہ نفس جو کچھ چاہے اسکو حلال کرتے چلے جائیں، شریعت تو اسی کا نام ہے کہ نفس کی خواہشات اللہ کے حکم کے سامنے قربان کی جائیں۔ نکاح کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گواہی کی شرط لگائی ہے، گواہوں کا ہونا ضروری ہے اور گواہ کم سے کم دو ہونے چاہئیں، دو گواہ کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ (۱) ایسی صورت میں اپنی طبیعت پر ضبط کرنا چاہئے اور باہر آبادی میں آکر جائز طریقہ پر نکاح کرلینا چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح اور سفاح یعنی زنا کے درمیان اسی اعلان و شہادت سے امتیاز قائم ہے۔ آپ غور کریں نکاح کے لیے گواہ بھی ضروری نہ ہو تو کوئی زنا "زنا" کہلا ہی نہیں سکتا ہے، بدکار لوگ کہیں گے کہ میں نے نکاح کرلیا تھا، اسی لیے گواہ کی شرط رکھی گئی ہے، جو نص سے ثابت ہے اور جس پر قریب قریب ائمہ اہل سنت کا اتفاق ہے، اس لیے اس شرط کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

(۱) و اتفق ابو حنیفة و الشافعي و مالك على أن الشهادة من شرط النكاح و اتفقوا على أنه لا يجوز نكاح السر و الاصل فى هذا ما روى عن ابن عباس لا نكاح الا بشاهدى عدل و ولى مرشد و لا مخالف له من الصحابة (بداية المجتهد ۲ / ۱۳)

خبر نامہ

دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد

☆ مورخہ ۲۶؍محرم ۱۴۱۹ھ مطابق ۲۳؍مئی ۱۹۹۸ء کو حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی ناظم جامعہ ہذا اور حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صدر مدرس جامعہ ہذا نے حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمی دامت برکاتہم قاضی شریعت امارت شرعیہ بہار واڑیسہ وسرپرست جامعہ ہذا کی عیادت کے لئے دہلی کا سفر کیا۔ چوں کہ حضرت موصوف کی طبیعت مسلسل علیل چل رہی ہے، ضعف ونقاہت اور مرض کی شدت کے باوجود علمی اور ملی کاموں کا سلسلہ بھی ہنوز جاری ہے، جامعہ ہذا میں برابر حضرت والا کی صحت کے لئے دعا کا اہتمام کیا جارہا ہے۔ بحمد اللہ اب حضرت کی طبیعت میں افاقہ پایا جارہا ہے۔ ہمدردان دین وملت اور حضرت کے مخلصین سے حضرت کی صحت یابی کے لئے خصوصی دعا کی درخواست ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موصوف کو صحت کاملہ عاجلہ، مستمرہ عطاء فرمائے۔ (آمین)

☆ اس سفر میں حضرت ناظم صاحب مدظلہ اور حضرت صدر صاحب کو ایک دن کے لئے دیوبند کے سفر کا موقع ملا جس میں دار العلوم دیوبند اور دار العلوم (وقف) دیوبند کی زیارت کا موقعہ ملا۔ چند گھنٹوں کے قیام میں اساتذہ کرام اور احباب سے ملاقات ہوئی، جن میں خاص طور پر حضرت مولانا محمد اسلم صاحب، حضرت مولانا محمد نعیم صاحب، حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب، حضرت مولانا خورشید عالم صاحب مدظلہم، جناب مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب مدیر "الداعی" پندرہ روزہ، مولانا محمد اسلام صاحب مولانا محمد سفیان صاحب، مولانا مفتی انوار الحق صاحب، مولانا مفتی جمیل صاحب ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر اساتذۂ کرام سے بھی ملاقاتیں ہوئیں مختصر عرصہ میں دار العلوم (وقف) نے ترقیات کی جن منازل کو طے کیا ہے یہ ان حضرات کے لئے مسرت اور طمانیت کا باعث بنا۔ اس کے بعد دار العلوم (قدیم) کے علمی فیضان کے تسلسل کا تذکرہ کرتے ہوئے ناظم صاحب نے شورش کاشمیری کا یہ شعر پڑھا ؎

گونجے گا چار کھونٹ میں نانوتوی کا نام
بانٹا ہے اس نے بادۂ عرفانِ مصطفیٰ

☆ ان دونوں حضرات کی دہلی تشریف آوری کی مناسبت سے تنظیم ابنائے قدیم دار العلوم دیوبند کی اس کے دفتر میں ایک نشست ہوئی، جس میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پر سمینار کی تیاری کا جائزہ لیا گیا، جس میں ان حضرات نے بھی شرکت کی۔ دہلی کے سفر میں جب معلوم ہوا کہ حضرت مولانا محمد اسعد مدنی مدظلہ کی طبیعت خراب ہے تو ان دونوں حضرات نے جمعیۃ کے دفتر پہنچ کر ان کی عیادت کی۔

☆ دینی اور علمی اجتماعات کے سلسلہ میں حسب معمول حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا "فتح منزل" مانصاحب ٹینک (بہ مکان جناب محمد جعفر صاحب) کے فقہی مذاکرہ اور درسِ قرآن کا سلسلہ جاری ہے، جس میں حضرت موصوف ارسال کردہ اور بالمشافہ دیئے گئے فقہی مسائل کا جواب دیتے ہیں۔ ایک ترتیب کے ساتھ جامعہ ہذا کے ترجمان سہ ماہی "صفا" میں شائع بھی ہو رہے ہیں، جو عوام و خواص دونوں کے لئے مفید ہیں۔

☆ جامعہ ہذا کے تعلیمی اور تربیتی نظام کے جائزہ کے لئے بھی اس درمیان کئی موقر علماءِ دین دوست حضرات تشریف لائے، خاص طور پر جناب مولانا محمد طلحہ صاحب قاسمی بمبئی اور ممتاز عالم دین جناب مولانا غلام محمد وستانوی بانی ومہتمم مدرسہ اشاعت العلوم اکل کوا (مہاراشٹر) اور انہوں نے یہاں کے تعلیمی اور تربیتی نظام پر حوصلہ افزا کلمات فرمائے۔

☆ مورخہ ۱۶ تا ۱۹ / ربیع الاول ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۱ تا ۱۴ / جولائی ۱۹۹۸ء روز شنبہ، یکشنبہ، دوشنبہ، سہ شنبہ جامعہ ہذا کے تمام تعلیمی شعبہ جات کے طلبہ کا امتحان ششماہی منعقد ہوا اور بحمد اللہ پورے سکون و وقار کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ طلبہ بھی پوری تیاری کساتھ شرکت کی۔ فی الحال نتائج کی ترتیب کا کام چل رہا ہے، جو چند دنوں میں آویزاں کر دیا جائے گا۔ ان ہی ایام میں جامعہ ہذا کی مختلف شاخوں کے امتحانات بھی رکھے گئے۔ بعض دیگر مدارس کی خواہش پر وہاں بھی جامعہ ہذا کے ممتحنین بھیجے گئے۔ اس سلسلہ میں حضرت صدر مدرس نے "مدرسہ نور العلوم کوہیر" کے ذمہ داروں کی خواہش پر وہاں کا سفر کیا اور تعلیمی جائزہ لیا۔ واضح ہو کہ مولانا محترم مدرسہ ہذا کے تعلیمی سرپرست ہیں۔

☆ مولانا بدر الحسن القاسمی نے ماہ جولائی (۱۹۹۸ء) کے وسط میں عمرہ کی سعادت حاصل کی اور وہاں سے کویت واپس آنے کے بعد حضرت مولانا قاری عبد اللہ سلیم صاحب مدظلہ، محترم

محمد عبد الوحید صاحب اور دیگر مؤقر شخصیتوں اور امریکہ کے بعض معروف علمی و دینی اداروں کی دعوت پر شکاگو، نیویارک وغیرہ کا سفر جولائی کی آخری تاریخوں میں کیا۔ محترم مولانا میر الیاس علی قاسمی (سابق استاذ دار العلوم سبیل السلام حیدر آباد) کی دعوت پر شکاگو میں واقع انکے مدرسہ کا معائنہ بھی کیا۔ اس موقع پر مشہور و ممتاز عالم دین حضرت مولانا محمد خیر محمد مکی حجازی استاذ مسجد حرام (مکہ مکرمہ) بھی تشریف فرما تھے۔ محترم ڈاکٹر عابد اللہ انصاری غازی کی دعوت پر ان کے زیر نگرانی چلنے والے ادارہ "اقراء" کو بھی دیکھا۔ امریکہ کے دیگر علمی، دینی، رفاہی اور فلاحی اداروں کا بھی معائنہ کیا۔ امید ہے کہ محترم مولانا بدر الحسن القاسمی اگست کے وسط یا اواخر میں کویت واپس آئیں گے۔ توقع ہے کہ "صفا" کے آئندہ شمارہ میں قارئین مولانا کے سفر امریکہ کے تاثرات سے مستفید ہوں گے۔

☆ حضرت مولانا محمد رضوان القاسمی مدظلہ نے جولائی (۱۹۹۸ء) میں دفتر ریاستی وقف بورڈ کے احاطہ میں "جلسہ سیرت النبی" کو مخاطب کیا۔ وقف بورڈ نے اپنے زیر اہتمام یہ پہلا جلسہ سیرت منعقد کیا تھا۔ حضرت ناظم صاحب نے خوشنودی کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہا کہ امید کہ یہ تسلسل جاری رہے گا اور اس موقع سے سوویز کی اشاعت بھی سیرت کے مختلف گوشوں کو اجاگر کرنے اور نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو عام کرنے میں مفید ثابت ہوگی۔

اسی طرح ایک جلسہ "رحمۃ للعالمین" کے عنوان سے ۲/ اگست (۱۹۹۸ء) کو اردو گھر حیدر آباد میں زیر اہتمام رحمۃ للعالمین ایجوکیشن سوسائٹی منعقد ہوا، جس کے کنوینر جناب ابوبکر یوسفی صاحب تھے۔ اس جلسہ سے بھی حضرت ناظم صاحب نے خطاب کیا۔ جناب حیدر محی الدین غوری صاحب کی دعوت پر "قرآن فاؤنڈیشن" کے خصوصی اجتماع میں شرکت کر کے وہاں بھی قرآن کے موضوع پر خطاب کیا۔

☆ حضرت ناظم صاحب مدظلہ کے تقریباً ۲۵ سالوں سے شائع شدہ علمی، دینی، دعوتی، تحقیقی مضامین جو روز نامہ "سیاست" حیدر آباد اور دوسرے جرائد واخبارات میں شائع ہوتے رہے ہیں، الحمد للہ ان کا مجموعہ بھی جلد ہی منظر عام پر آنے والا ہے۔ یہ مجموعۂ مضامین خدام دین اور ادب نواز دونوں کے لئے یکساں مفید ہے اور اہل علم کے لئے ایک وقیع اور گرانقدر تحفہ ہے۔

☆ حضرت مولانا بدر الحسن القاسمی (مقیم کویت) جو جامعہ ہذا کے "معتمد تعلیمات" بھی ہیں

ایک عرصہ سے حکومت کویت کے ایک باوقار عہدہ پر فائز ہیں اور علم وتحقیق کی دنیا میں محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔ موصوف کا جزوی تعلق کویت ریڈیو سے بھی رہا ہے اور سیکڑوں تحقیقی، دعوتی اور علمی مقالات وہاں سے نشر ہوتے رہے ہیں، ان مقالات کا مجموعہ بھی تیاری کے آخری مراحل میں ہے، انشاءاللہ عنقریب اس کی طباعت عمل میں آئے گی۔

☆ ربیع الاول ۱۴۱۷ھ میں بنگلور میں قائم ادارہ کی جانب سے علماء اور دانشوروں کے لئے سیرت کے موضوع پر خطبات کے لئے جامعہ ہذا کے صدر مدرس صاحب کو مدعو کیا گیا تھا، جس میں پانچ دنوں مسلسل پانچ خطبات دیئے گئے، الحمدللہ ان خطبات کا مجموعہ "خطباتِ بنگلور" کے نام سے انتہائی دیدہ زیب صورت میں زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکا ہے، جو ۲۲۳ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں آپ ﷺ کی تعلیمات میں انسانیت نوازی کے پہلو کو پیش کیا گیا ہے۔

☆ ادھر بعض حضرات کی جانب سے کچھ اختلافی مسائل کو غیر ضروری طور پر اچھالا جارہا ہے اور ستم یہ ہے کہ اس اختلاف کے پردے میں اسلافِ امت کے ساتھ ہتک آمیز اور غیر شائستہ انداز اختیار کیا جارہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ دین کی خدمت نہیں بلکہ تفریق امت کا ذریعہ ہے، اسی پس منظر میں ایک انتہائی مفید کتاب جس کی بعض اعتبار سے سخت ضرورت محسوس کی جارہی تھی "راہِ اعتدال" کے نام سے شائع ہوگئی ہے، جس میں نہایت متین اور شائستہ لب ولہجہ میں غیر مقلد حضرات کو خیر خواہانہ انداز پر غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے اور اختلافی مسائل کے علمی و تحقیقی معیار کو باقی رکھتے ہوئے ان کا بھرپور جائزہ لیا گیا ہے۔

☆ جامعہ ہذا کے استاذ مولانا احمد عبدالمجیب صاحب قاسمی ندوی اور دیگر اساتذہ بھی شہر اور بیرونِ شہر کے علمی، دینی اور ملی اجتماعات میں شرکت کرتے رہے اور اپنے دروس اور خطابات سے عامۃ المسلمین کو مستفید فرمایا۔ جامعہ سے متعلق قدیم استاذ مولانا مفتی عبدالودود صاحب مظاہری مدظلہ اور بعض ممتاز فضلاء اور اساتذہ شہر حیدرآباد کی مساجد میں جمعہ کے دن بحیثیت خطیب، خطبہ اور عصری حالات وضروریات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اردو میں تقریروں کے ذریعہ بھی عام لوگوں کو مستفید فرماتے رہتے ہیں۔

حکمت و بصیرت

ثاقب صدیقی

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ آدمی کو چاہیے کہ عمل شروع کرنے سے پہلے اپنی نیت درست کرلے، بعد میں اگر نیت میں کچھ خلل آئے تو پرواہ نہ کرے، شیطان اگر وسوسہ ڈالے تو التفات نہ کرے۔ جوابِ جاہلاں باشد خموشی۔ جاہلوں اور نادانوں کا جواب خموشی ہی ہے۔

☆☆☆

ایک بزرگ تھے، انہوں نے اپنے شیخ سے عرض کیا کہ حضرت! عجب کشمکش میں مبتلا ہوں نفلیں پڑھنے کو دل چاہتا ہے، مگر جب پڑھنے کھڑا ہوتا ہوں تو ریا (نام ونمود) کا جذبہ طاری ہو جاتا ہے اور اگر ریاء کی وجہ سے نہ پڑھوں تو نفلوں سے محروم رہتا ہوں، ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟

شیخ نے کہا کہ پہلے تو کوشش کرو کہ یہ جذبہ تم پر طاری نہ ہونے پائے، اگر اس پر قابو نہ پاسکو تو نفلیں ریاء سے پڑھ لیا کرو اور بعد میں ریاء سے توبہ کرلیا کرو۔

اس حکایت سے معلوم ہوا کہ انسان کو جو نیک کام کرنا ہو، کر گذرے اور بعد میں اگر محسوس ہو کہ اس میں ریاء و نمود کا ذرا بھی شائبہ ہے تو اس سے استغفار کرلے۔ توبہ اور استغفار سیئات کو حسنات سے بدل دیتی ہے۔

☆☆☆

بعض بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ دو چیزیں عجیب وغریب ہیں: ایک توبہ اور دوسری نیت۔ یہ دونوں عجیب وغریب اس لیے ہیں کہ نیت کا کام ہے کہ معدوم چیز کو موجود بنا دینا، مثلاً ہم نے کوئی عمل نہیں کیا مگر نیت نے اس کو موجود کر دیا اور دوسری چیز توبہ ہے جو موجود کو معدوم کر دیتی ہے، کیوں کہ انسان خواہ ستر برس تک گناہ کرتا رہے بلکہ شرک وکفر میں مبتلا رہے جب بارگاہ الٰہی میں ایک سجدہ کیا اور معافی مانگی سب یک قلم معاف۔ گویا گناہوں کا ایک بے شمار ذخیرہ جو موجود تھا، اس کو ایک مخلصانہ توبہ نے معدوم کر ڈالا۔ یہ دو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو عطا فرمائی ہیں جو بلاشبہ عجیب وغریب ہیں۔

☆☆☆

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ایک عجیب بات تکبر اور غرور کے متعلق فرمائی ہے اور وہ یہ کہ اور تو جتنے گناہ ہیں ان کی سزائیں تو دیر ہو جاتی ہے مگر تکبر ایسا گناہ ہے کہ متکبر کو فوراً اس کی سزا مل جاتی ہے، وہ یہ کہ متکبر فوراً مخلوق کی نظروں سے گر جاتا ہے، اس لیے تکبر سے بچنے کی سخت ضرورت ہے۔

☆☆☆

لطافت و ظرافت

نعمان بدر

خواجہ حسن نظامی نے ایک مرتبہ اپنے اخبار "منادی" میں لکھا کہ میں ڈاکٹر اقبال کو ہندوستان کا عظیم شاعر نہیں سمجھتا۔ انہیں دنوں ڈاکٹر اقبال کے گھٹنوں میں درد ہو گیا۔ خواجہ صاحب نے انہیں اپنا "روغن فاسفورس" بھیجا، جس سے انہیں افاقہ ہو گیا۔ لہٰذا انہوں نے خواجہ صاحب کو لکھا کہ مجھے آپ کے روغن سے افاقہ ہوا ہے۔

خواجہ حسن نظامی نے وہ خط اپنے "منادی" میں شائع کر دیا کہ اس تیل کے متعلق شاعر اعظم ڈاکٹر اقبال کی کیا رائے ہے؟ ڈاکٹر اقبال نے اخبار "منادی" پڑھ کر کہا کہ شکر ہے کہ خواجہ صاحب کے روغن فاسفورس نے مجھے شاعر اعظم تو بنا دیا۔

☆☆☆

مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر "زمیندار" نے ایک مرتبہ لالہ نانک چند نازؔ کی ہنگامی اور بے معنی تک بندی پر تبصرہ کرتے ہوئے انہیں مخلصانہ مشورہ دیا تھا:

شعر کہنے کا سلیقہ سیکھ میلا رام سے
توڑتا ہے شاعری کی ٹانگ کیوں اے بے ہنر!

مولانا ظفر علی خاں، پنڈت میلا رام وفاؔ کو استاذ شاعر تسلیم کرتے تھے، اس لیے انہوں نے اپنے حریف کو یہ نیک مشورہ دیا تھا۔ جب نازؔ صاحب نے اپنا پہلا مجموعۂ کلام تبصرے کے لئے پنڈت میلا رام وفا کی خدمت میں پیش کیا تو وفا صاحب نے اس پر مندرجہ ذیل تبصرہ کیا۔

"ناز صاحب کی کتاب برائے تبصرہ ملی، کتابت اچھی نہیں لیکن کلام سے بدرجہا بہتر ہے، جس کے پڑھنے کے بعد یہ پتہ آسانی سے لگ سکتا ہے کہ تعزیراتِ ہند میں شعر کہنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔"

☆☆☆

نامور ادیب اور شاعر مرحوم سید اکبر حسین اکبر الٰہ آبادی اپنی روشن خیالی کے باوجود مشرقی تہذیب کے دلدادہ تھے اور وضع کے پابند۔

ڈاڑھی منڈوانے کا رواج ہندوستان میں عام تھا، لیکن لارڈ کرزن جب ہندوستان آئے تو ان کی دیکھا دیکھی مونچھ کا بھی صفایا ہونے لگا۔ پہلے پہلے خان بہادر سید آل نبی وکیل آگرہ اور مسٹر مظہر الحق بیرسٹر ایٹ لا نے لارڈ کرزن کی تقلید کی، پھر تو انگریزی دانوں میں عام رواج ہو گیا، چنانچہ اکبر الٰہ آبادی نے اس کی ہجو میں حسب ذیل قطعہ ارشاد فرمایا۔

کر دیا کرزن نے زن مردوں کو، صورت دیکھئے
آبرو چہرے کی سب فیشن بنا کر پونچھ لی

سچ یہ ہے انسان کو یورپ نے ہلکا کر دیا
ابتداء ڈاڑھی سے کی اور انتہا میں مونچھ لی



DARUL-ULOOM SABEEL USSALAM
PO. BALAPUR
BARKAS HYDERABAD -500 005. A.P. INDIA

Tel : (040) 4440450
Fax : (040) 3203668